ہر دلعزیز بنا دیا گیا۔ اس کی قبولیت و شہرت کے اس طوفان کے آگے معترضین خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور کسی کو مجالِ مقال نہ رہی۔

اب ذرا خالد کے مخالفوں کی اخلاقی بلندی ملاحظہ ہو۔ شورش مرحوم نے چٹان میں چھپنے والے ایک مضمون میں خالد کو دورِ حاضر کا حسانؓ بن ثابت لکھ دیا۔ کسی صاحب کو اس سے بڑی تکلیف پہنچی۔ اور خالد کو گھر پہ ٹیلیفون کیا کہ آپ نے شورش سے خود کہہ کر یہ جملہ اپنے لئے لکھوایا ہے۔ خالد نے جواباً کہا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اُس شخص نے کہا۔ تو پھر اس کی تردید کرو۔ خالد نے کہا۔ تردید و تائید میرا مسئلہ نہیں۔ آپ کو تکلیف پہنچی ہے۔ آپ اس کے خلاف لکھ دیں۔ خالد نے پوچھا آپ کی تعریف؟ ٹیلیفون کرنے والے نے نام بتانے سے اعتراض کیا۔ خالد نے کہا مجھے تو تردید کا حکم دیتے ہو۔ اور خود نام بھی اخفا میں رکھنا چاہتے ہو۔ یہ کہاں کا اخلاق اور انصاف ہے۔ اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔ ظاہر ہے ٹیلی فون کرنے والا کوئی سبزی فروش آئرن مرچنٹ نہ تھا۔ یقیناً کوئی اہلِ قلم حضرات میں سے ہو گا۔ اس اخلاق کے لوگ خالد کی مخالفت کے لیے اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

اسی طرح ہمارے ہی گاؤں کے ایک صاحب جو آج کل لاہور میں ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے میں ملازم ہیں۔ ابتدائی ایام سے ہی خالد کی ضد رہے ہیں۔ خالد ابتدا ہی سے محنت کش۔ شریف النفس، پرہیز گار اور صاحبِ جذب و ضبط تھا۔ اس کے برعکس صاحب ہنگامہ خیزی۔ جوڑ توڑ۔ محفل آرائی میں ماہر اور محبت کے معاملہ میں دل پھینک اور رسوائے روزگار تھے اور بدستور اپنی روش پہ قائم۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اِس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

آج کل انہوں نے چند حواری پیدا کر رکھے ہیں لاہور کے ایک ہوٹل میں سرِ شام ہی جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہوٹل کے بیرے گھور گھور کر دیکھنے لگتے ہیں تو یہ صاحب اپنی راہ لیتے ہیں۔ محفل میں اکثر کبھی ذاتِ خالد، کبھی کلامِ خالد ان کی غیر صحتمند تنقید کا ہدف بنا رہتا ہے اور وہ ان اہلِ قلم کے جویا رہتے ہیں۔ جو خالد سے اختلاف رکھتے ہوں ....!!

ایک صاحب نے جو آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ میری درخواست پہ خالد کی فارقلیط پہ اظہارِ خیال کیا۔ مجھے اُن صاحب کا فکری پسِ منظر معلوم نہ تھا۔ ایک دوست کی وساطت سے اُن سے متعارف ہُوا۔ اچھا لکھنے اور اچھا بولنے والے تھے۔ میں ان کی علمی استعداد سے متاثر ہُوا اور خالد پہ تبصرہ کرنے کے لئے عرض کیا۔ میری یہ زبردست خواہش رہی ہے۔ کہ خالد کی شاعری کو ایسی چھلنی سے چھان دیا جائے۔ جو مونگے، موتیوں کو سنگریزوں سے الگ کر دے۔ میں خود تو اس بحرِ ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کی قدرت نہیں رکھتا۔ لہٰذا اپنی تکمیلِ تمنا کے لئے اہلِ قلم حضرات کا

سہارا لینا پڑتا ہے۔ اسی جذبے تحت اُن صاحب سے استدعا کر بیٹھا۔ مگر نہ جانے انہوں نے کونسی عینک سے کلام خالد پڑھا۔ کہ اُن کو اس میں ایک بھی خوبی نظر نہ آئی۔ بلکہ خط کی شکل میں تنقید و تبصرے کے ہر اصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ مضحکہ اُڑایا کہ الامان والحفیظ۔ میں خود حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اللہ بھلا کرے میرے بھائی عزیز مظہر صاحب کا۔ جنہوں نے یہ کہتے ہوئے میری اس اس مشکل کو حل کر دیا۔ کہ تم نے ایک بنیادی غلطی کی یعنی ایک اسلامی ذہن کے نعت گو شاعر پر تبصرہ کے لئے ایک غیر اسلامی ذہن کے آدمی کو دعوت دی۔ دراصل یہ خالد کی شاعری پر تنقید نہیں۔ بلکہ دو مختلف ذہنوں کے تصادم کا شاخسانہ ہے۔ اور وہ لوگ اس تنقید کی قبولیت اور پرچار میں پیش پیش ہیں۔ جو فکری اور نظریاتی اعتبار سے خود بھی دہریے ہیں۔ چنانچہ میرے اس گاؤں کے دوست نے اس خط کی تائید و تصدیق اور پرچار میں وہ کچھ کیا۔ کہ شرافت سر پیٹتی رہ گئی۔ رواداری کا مظاہرہ تو بجائے خود رہا حقیقت پسندی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

زندگی عجیب عجیب تجربوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ عین ان دنوں جب یہ واقعہ ہوا۔ ملتان کی ایک حیا باختہ عشوہ طراز جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے مجھ سے کدر کھتی تھی نہ جانے کس طرح خالد تک پہنچ گئی اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ فارتلیط پر مذکورۃ الصدر تذکرہ راقم الحروف کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ مگر خالد جس کو اللہ نے دیگر خوبیوں کے علاوہ معاملہ فہمی بھی عطا کی ہے۔ کی طرف سے تبسم ریزی کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ لوگ کہیں کا رنج کہیں جا نکالتے ہیں۔

میں اپنے مقالے کی ابتدا میں لکھ چکا ہوں۔ کہ خالد پر بے پناہ لکھا گیا ہے۔ مگر میری رائے میں بہت کم لوگ تنقید و تبصرے کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ مجھے یہ شکایت ہرگز نہیں کہ بعض نے مخالفت کیوں کی اور بعض نے موافقت کیوں۔ بلکہ مجھے یہ کہنا ہے کہ اکثر نقاد حضرات نے "خیال اپنا اپنا پسند اپنی اپنی" کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے خالد پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مثلاً میرے محترم دوست کامل القادری نے "فہمات خالد" میں مجموعی طور پر خالد کی شاعری کے جن پہلوؤں پر قلم اُٹھایا ہے اُس سے وہ حصے اور اُن سے متعلقہ تاثر یقیناً اوجھل ہو گیا جن کی بدولت آج خالد ایک ممتاز اور منفرد شاعر کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتا ہے۔

خالد مصلحت اور اس کے متعلقات سے آشنا ضرور ہے۔ مگر اپنی زندگی کو کبھی اُس سے متاثر نہیں ہونے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی میں بعض مواقع پر خالد نے بُری طرح نقصان اُٹھایا کیونکہ۔

ع وہ زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

خالد نے استغنا اور انا کو بحال رکھنے کے لئے فاقہ کشی تک گوارا کی ہے۔ جن دنوں وہ اسلامیہ کالج لاہور کا طالب علم تھا۔ ایک دفعہ کالج بڑے دنوں کی رخصتوں کے لئے بند ہو گیا تو خالد گھر نہ جا سکا۔ اور ہوسٹل میں ٹھہرا رہا۔

اتفاق سے خرچ ختم ہوگیا۔ اور گیارہ دن تک فقط چائے پر گذارا کرتا رہا۔ کیونکہ چائے کا سامان موجود تھا۔ مگر کسی کے ہاں جانا غیرتمند طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ حالانکہ اکثر احباب لاہور میں موجود تھے۔ اس واقعہ سے جہاں خالد کی زندگی کا استغنائی پہلو سامنے آگیا۔ وہاں ہمیں دکھ بھی ہوا۔ کہ اس نے ہماری بے تکلفی اور تعلق کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔

میں نے ایک دفعہ چینی نہ ملنے کی شکایت کی تو جواباً کہا کہ چینی کھانا چھوڑ دو۔ جو چیز عزت سے مل رہی ہے کھاتے رہو۔ مزید خواہش اور کاوش میں سرگرداں نہ رہو چنانچہ خود ایک دفعہ کھانا بالکل ترک کر دیا۔ کہ کون یہ محتاجی برداشت کرے۔ اور گاجروں اور مونگ پھلی پر کئی دن گذارہ کیا۔ خالد کی فطرتِ آزاد کسی الجھن اور پابندی کو برداشت نہیں کرتی۔ جہاں ذرا کپڑوں کے دو چار جوڑے زیادہ بن گئے۔ بس گھبرا گئے اور لوگوں کو دینے شروع کر دیئے۔ کہ کپڑوں کی بہتات بھی اس کی نازک مزاجی کو گوارا نہیں ہے۔

بندۂ حق بندۂ اسباب نیست   زندگانی گردشِ دولاب نیست

اس کے بنگلہ پر جا کر دیکھئے۔ بہت بڑا سرکاری افسر ہونے کے باوجود آپ کو ضروریاتِ زندگی کے علاوہ کوئی سامان نظر نہ آئے گا۔ ہاں البتہ کتاب ہر قسم کی ہر موضوع۔ ہر زبان۔ ہر مصنّف کی مل جائے گی۔ خالد اپنی کتابیں بہت کم کسی کو دیتا ہے۔ چنانچہ خود کہا کرتا ہے۔ کہ میں کتابیں درآمد کرتا ہوں برآمد نہیں کرتا۔

میں نے ایک دفعہ ایک دوست کی پریشانی کا ذکر کیا جس کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ اور وہ وہاں جانا نہیں چاہتا تھا اور پریشان تھا۔ خالد کہنے لگا۔ یہ تو فقط غم خریدنے والی بات ہے جو لوگ اس جگہ کام کرتے رہے ہیں یا آئندہ کریں گے۔ وہ بھی تو اسی طرح کے انسان ہوں گے جیسے بھی حالات ہوں قبول کرنا چاہیئے اور نباہ کرنا چاہیئے بلاوجہ خواہشات کا پنجرہ بنا کر خود کو اس میں مقید نہ کرنا چاہیئے۔ یہ فطرت آزاد اور جذبۂ بلند ہمتی کے ساتھ زیادتی ہے خالد کی گفتگو اتنی مدلّل، مؤثر اور حوصلہ افزا ہوتی ہے کہ انسان اس کو سن کر نامساعدت کی قبولیت کے لیے بھی اپنے اندر آمادگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ میں نے کئی بار اپنے طور پہ یہ چاہا ہے۔ کہ خالد کی باتوں کو معرضِ تحریر میں لایا کروں مگر نہ کبھی وقت نے اجازت دی اور نہ دماغی صلاحیتوں نے ساتھ دیا۔

خالد نے کبھی اپنی سروس کے دوران اپنے متعلق کسی کو کچھ نہیں کہا۔ میں نے کئی دفعہ کراچی جا کر کہا کہ آپ عرصہ سے ہم سے جدا ہیں اور دور رہتے ہیں۔ کوشش کر کے لاہور یا اس کے قرب و جوار میں آجائیں تاکہ ملاقات میں آسانی ہو میرے اصرار پر خفگی کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے یہ مشورہ نہ دیا کرو۔ یہ تمہاری خواہش ہے ہو سکتا ہے میری بھی یہ خواہش ہو۔ لیکن میں خواہشات کے دام میں پھنس کر ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔ اور نہ خواہش اور تکمیل خواہش کے لئے کسی کے آگے جھکنا چاہتا ہوں۔ جس کو ہر چیز پہ قدرت ہے، وہ خوب جانتا ہے۔ کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور ہماری بھلائی کس میں ہے۔ خالد جاہ طلبی اور نمودِ وجاہت سے بھی کوسوں دور ہے چنانچہ کراچی انکم ٹیکس میں بیس[۲] برس کا طویل عرصہ گزارنے

کے بعد جب ۱۹۶۹ء میں اس کا لاہور کے لیے تبادلہ ہو گیا تو صبح دفتر جا کر سارا دن کام کیا۔ دوپہر کو چارج چھوڑ کر شام کی گاڑی سے عازمِ لاہور ہو گیا۔ اور کوئی تصویر کشی یا الوداعی تقریب منعقد نہ ہو سکی۔ جبکہ عموماً افسر لوگ چارج چھوڑنے کے بعد الوداعی پارٹیوں اور فوٹو اتروانے کے لئے ہفتہ ہفتہ وہیں پڑے رہتے ہیں۔ لاہور میں آمد کے متعلق اخبارات کے ذریعہ لوگوں کو پتہ چل گیا تھا۔ مگر خالد کی طرف سے میرے علاوہ شاید ہی کسی کو اطلاع دی گئی ہو۔

خالد خارجی اثرات بہت کم قبول کرتا ہے۔ اس لیے کوئی بڑی شخصیت، کوئی لالچ یا کوئی خوف اس کے ضمیر کے خلاف اُس سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔

مختلف وقتوں میں دو معروف شخصیتیں خالد کے پاس آئیں اور اتفاق سے میں بھی دونوں مرتبہ موجود تھا۔ ایک نے تو اپنی موجودہ پوزیشن کا تاثر دینے کی کوشش کی اور دوسری شخصیت نے خالد کی خوشامد میں اپنے ترکش کے تمام لفظی تیر چلا دیے۔ دونوں کا مقصد اپنے اپنے کسی عزیز کو ملازمت دلوانا تھا۔ مگر خالد کا جواب سُن کر نہایت مایوس ہوئے۔ خالد نے اُن کا احترام تو ضرور کیا۔ مگر معاملہ داری میں اُن کو عام آدمی سے زیادہ وقعت نہ دی۔

میں نے بچشم خود دیکھا۔ اُن دنوں جب خالد کمشنر انکم ٹیکس لاہور زون تھا۔ دفتر سے رخصت کے وقت نیچے اپنی گاڑی کے پاس آ کر ٹھہر جاتا۔ اور تمام چپراسیوں اور چوکیداروں سے ملتا۔ ان کی خیریت دریافت کرتا۔ اور مسائل پوچھ کر ان کو حتی الامکان حل کرنے کی کوشش کرتا۔

خالد انسان کو خالقِ حقیقی کی تخلیق سمجھ کر اس کی عزت کرتا ہے۔ اور کسی طرح انسان کی تحقیر گوارا نہیں کرتا۔ اُس کے دل میں انسان کی بے پناہ عظمت اور محبت موجود ہے۔ وہ ایک دل دردمند رکھتا ہے۔ مجھے جب کبھی کوئی تکلیف پہنچی خالد کو انتہائی پریشان پایا۔ میں ایک دفعہ کسی گھریلو الجھن کا شکار ہو گیا۔ میری رفیقہ حیات حساس ہونے کی وجہ سے ہم سب سے زیادہ متاثر نظر آتی تھی۔ عین ان دنوں میں کراچی چلا گیا۔ اور یہ خالص گھریلو مسئلہ خالد کے ساتھ زیرِ بحث آیا میں نے اپنی رفیقہ حیات کی پریشانی کا بھی ذکر کیا۔ مجھے خوب یاد ہے خالد نے دیگر ساری باتیں چھوڑ کر اس مسئلہ کے حل اور ہماری حوصلہ افزائی پر سارا وقت صرف کر دیا میری روانگی کا معمول تھا کہ میں خالد کو کمرے میں چھوڑ کر رخصت ہو جایا کرتا تھا۔ مگر اُس وقت خالد ننگے پاؤں باہر سڑک تک مجھے الوداع کہنے آیا۔ اور یہی کہتا رہا کہ گھر میں بھی سمجھائیں کہ کسی چیز کو جان کا روگ نہ بنانا چاہیئے۔ مسائل اللہ تعالیٰ حل کر دیا کرتا ہے۔

خالد احسان کر کے بھول جاتا ہے اور خود محسن کے احسان کا شکریہ ادا کرنا اخلاقی فریضہ اور عظمتِ انسانی کے حصول کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے۔

خالد جہاں اور بہت سے انعامات سے نوازا گیا ہے۔ وہاں اس پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے

کہ جو شہرت اور مقبولیت اُس کو اپنی زندگی میں حاصل ہوئی وہ شاید ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوئی ہو۔ بقول جناب انوار الحق ڈائریکٹر انفرمیشن ڈیپارٹمنٹ "یہ دَور دورِ عزیز خالد ہے"۔ غرض اس گلشنِ پُر بہار کی جس روش پر بھی نکل جایئے۔ ہر مقبول دعوتِ نظارہ دیتا نظر آتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

خالد جس جذب و شوق، سوز و سازِ آرزومندی اور طلب و تمنا کی تپش میں اپنی زندگی کو ڈھال چکا ہے اُس کے پیشِ نظر یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا۔

مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

خالد وہ چشمۂ فیض ہے۔ جس کی بدولت اس کے آبائی گاؤں پرجیاں کلاں (بھارت) کو تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی جو نہایت دور افتادہ اور دریائے ستلج کے کنارے ایک پسماندہ آبادی ہے، خالد کی بدولت اس کے لدین اور اساتذہ گوشۂ گمنامی سے نکل کر بامِ شہرت پر جلوہ گر ہوگئے اُس کے احباب بہت سی کہانیوں کے نوان بن گئے۔ خالد ہی کی وجہ سے اُس کے کالج کے اکثر دوستوں سے میرا سلسلۂ تعارف دراز ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد قانی، ڈاکٹر سلیم فاروقی، انور شارق، زکریا ساجد اور عزیز مظہر میرے قابلِ ذکر احباب میں سے ہیں۔ اور یہ سب اہلِ قلم حضرات ہیں۔ ان میں سے اکثر احباب کا اتہ پتہ تو معلوم رہتا ہے۔ مگر زکریا ساجد کا ذوقِ سجدہ ریزی ن کو ملک ملک لیے پھرتا ہے۔ نہ جانے اب دنیا کے کون سے گوشے میں سجدہ ریز ہوں گے ؎

رہِ دیر۔ تختۂ گل زجبینِ سجدہ ریزم کہ نیازِ من نگنجد بہ دو رکعتِ نمازے

علمی ادبی مجالس اور رسائل میں میری شرکت اور شمولیت آغا صادق کے علاوہ خالد کی مرہونِ منّت ہے۔ حتیٰ کہ معاشی سلسلہ میں بھی میرے رفیقِ کار اور محترم دوست سید صغیر احمد اور محمد اکرم باجوہ میری خالد سے قیدت کی وجہ سے میرے شاعرانہ مزاج کی شوخیوں کو برداشت کرتے ہیں۔ راہ دیتے ہیں اور کبھی کبھی اس کی زد ں بھی آجاتے ہیں۔ مگر میرے وجدانی ذوق سے دل تنگ نہیں ہوتے۔ میں زندگی میں نامساعدت کی جس رکاشکار رہا ہوں ممکن تھا کہ میرا ذوقِ شعر گوئی دم توڑ دیتا۔ مگر خالد کا تعلّق ہر موڑ پر میرا دستگیر رہا اور تاکید ے خالد یہ کہتا رہا کہ رات کو سوتے وقت تمہاری میز کبھی پنسل اور کاغذ سے خالی نہ ہونی چاہیئے۔ جبکہ آغا صادق ے میرے منقار زیرِ پر ہونے سے مایوس ہوکر کسی دوست کو لکھ دیا۔ کہ منظور سعید آج کل قلم کی بجائے قدم سے کام لے رہا ہے۔

کم وبیش ہر شخص کسی نہ کسی عادت کا اسیر ہوتا ہے ۔ مثلاً مجھے زیادہ باتیں کرنے کا عارضہ لاحق ہے ۔ کئی بار غیر ارادی طور پر بھی کچھ باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں ۔ بعض دفعہ اس وجہ سے نقصان بھی ہوا ۔ اسی طرح بعض دوست اعتراضات اور سوالات کے عادی ہوتے ہیں ۔ بعض ایسے اصحاب سوال کرتے ہیں ۔ کہ خالد کا پیغام کیا ہے؟ اگر وہ دوست اپنے اوپر حملہ تصور نہ کریں تو میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا ۔ کہ ان کا یہ سوال حسب ضرورت نہیں بلکہ حسب عادت ہے ۔ وہ ذرا غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا ۔ کہ خالد شاعر اسلام ہے اور حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نعت گو ہے ۔ وہ ذات اقدس جو خود ایک عظیم پیغامبر ہے ۔ اس کا ثنا خوان پیغام سے عاری کیونکر ہوا ۔ خالد کوئی نیا پیغام نہیں لایا ۔ وہ اُسی بادۂ طہور کا جام بھر کر دیتا ہے ۔ اور کہتا ہے ۔

ع از طاق بادہ گیرم و در ساغر افگنم

اس کا انداز بیان کچھ ہو حاصل کلام یہی ہے ۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

راجہ محمد شریف

"وہ آئیں گھر میں ہمارے"

یہ اوائل ۱۹۶۸ء کی بات ہے کہ میں نے ایک دوست کی زبان سے جناب عبدالعزیز خالد کی کتاب فارقلیط کے چند اشعار سنے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان اشعار نے میرے دل کی دنیا میں ایسی ہلچل پیدا کر دی کہ میں کتاب کو جلد از جلد حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ چنانچہ پہلی ہی فرصت میں ایک کتاب فروش کے پاس پہنچا اور کتاب حاصل کر کے وہاں ہی کھڑے کھڑے جستہ جستہ مقامات دیکھنے لگ گیا، اشعار تھے کہ پڑھنے کے ساتھ ہی دل میں اُترتے چلے جاتے تھے، سب سے زیادہ مجھے عشقِ رسولؐ کا وہ جذبہ مسحور کر رہا تھا جو اس مسلسل نعت کی بنیادوں میں کام کر رہا تھا۔ خدا جانے میں نے اسے کتنی بار پڑھا۔ تاہم جتنی بار پڑھا اس کا تاثر کم نہ ہوا اور ہر بار ایک نیا کیف محسوس کیا۔

اس سے پیشتر میری نظر سے جناب عبدالعزیز خالد کی کوئی کتاب نہ گذری تھی۔ اور نہ میں ان کی شاعرانہ عظمتوں سے آگاہ تھا۔ میرا حلقۂ احباب چونکہ نہایت محدود ہے اور جو ہے وہ بھی اس دشت کا سیاح نہیں۔ اس لیے جناب عبدالعزیز خالد کی شاعری اور ان کی ادبی حیثیت سے میری عدم واقفیت کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی لیکن جب اس کتاب کے ذریعہ سے جناب خالد کی شاعرانہ بلندیوں متعارف ہوا تو ان کی شخصیت میرے لیے نہایت اہم ہو گئی۔ میرے دل میں ان کو دیکھنے اور ملنے کی خواہش مچلنے لگی، مگر ان دنوں جناب عبدالعزیز خالد کراچی میں قیام پذیر تھے، اور میرا وہاں تک پہنچنا فی الحال ممکن نہ تھا۔

فروری ۱۹۶۹ء میں مجھے حج پر جانے کی سعادت نصیب ہوئی، اس سفر میں جناب عبدالعزیز خالد کی کتاب فارقلیط میرے ساتھ تھی۔ اب تک اگرچہ مجھے اس کا کافی حصہ ازبر ہو چکا تھا تاہم اصل کتاب کا ساتھ ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ جس دل نشیں انداز میں یہ کتاب بالترتیب جناب رسالتمآبؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کا ذکر کرتی ہے وہ مجھ جیسے طالب علم کیلئے نہایت پسندیدہ اور ایمان افروز ہے۔ بہرحال سفرِ حج دوران میں فارقلیط کا مطالعہ میرے لیے تسکین کا باعث بنتا رہا اور میں ان دنوں جہاں کہیں بھی گیا فرصت کے اوقات میں اسی کے اشعار سے اپنی نجی محفلوں کو گرماتا رہا، میرے

ان کے ساتھی یہ اشعار نہایت ذوق وشوق سے سنتے اور جب انہیں ان کے رموز ونکات بھی سمجھ آجاتے تو پھر ان کو زبانی یاد کرنے کی کوشش میں لگ جاتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ میں جب بھی اس کتاب کو کھولتا اور مطلع کا شعر

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے ۔۔۔ میں سانسوں کا مہماں تو موجِ ہوا ہے

پڑھتا تو مجھے وہی سرور ملتا جو سعدیؒ کے قطعہ " بلغ العلیٰ بکمالہ " یا مولانا حالی کی مسدس " وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا " جیسے نعتیہ اشعار پڑھ کر ملتا اور پھر جب اس شعر پہ پہنچتا کہ ۔

وقارِ سکوت اور حُسنِ تکلم
تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے۔

تو دل میں عقیدتوں کا ایک طوفان امنڈ پڑتا اور میں گھنٹوں بیٹھا " تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے " گنگناتا رہتا۔

حجِ بیت اللہ سے فارغ ہو کر جب میں زیارت روضۂ اقدس کے لیے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ تو میرے دل ودماغ پہ ایک خوف طاری تھا، اور یہ خوف خدا کے آخری رسول کے دربار میں حاضری کا تھا کہ میں دنیا کے سب سے بڑے دربار میں کیا منہ لے کر جاؤں گا، زندگی کے شب وروز ایک کھلی کتاب کی طرح میرے سامنے تھے جس کا ہر ورق میرے سیاہ کارناموں سے داغدار تھا، تاہم ایک جذبہ بے اختیار تھا جو مجھے کشاں کشاں مدینۃ النبیؐ کی طرف لیے جا رہا تھا۔ میں راستہ بھر پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کا ذکر کرتا رہا جو ہجرت کے مقدس نام سے موسوم ہے اور ساتھ ساتھ اپنے ہمسفر کو فارقلیط کے اشعار بھی سناتا رہا جو سراسر عشقِ رسولؐ سے لبریز تھے۔ مدینۃ المنورہ پہنچ کر جب میں دربارِ رسولؐ میں حاضری کے لیے مسجد نبوی کی طرف چلنے لگا تو یکایک فارقلیط کے اشعار میرے حافظہ پہ ابھر آئے۔ مسجد نبوی کے مینار میرے سامنے تھے، خدا جانے دل پہ کیا کیفیت طاری ہوئی کہ بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے ۔۔۔ میں سانسوں کا مہماں تو موجِ ہوا ہے
شہنشاہِ لولاک ومولائے سدرہ ۔۔۔ تو میرے تخیّل سے بھی ماورا ہے
تری ذات فخرِ بنی نوعِ انساں ۔۔۔ تو صلِّ علیٰ خیر خلقِ خدا ہے
مزمّل مدثر ہیں القاب تیرے
تو یٰسین وطٰہٰ میں طلعت نما ہے

میں نہیں جانتا کہ جناب عبدالعزیز خالد اب تک دنیا کے اس سب سے بڑے دربار میں حاضری کی سعادت حاصل کر چکے ہیں یا نہیں، مگر ان کے اشعار کی والہیت اور بیان کے ساختہ پن سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں یہ سب کچھ

اسی بارگاہِ عالی سے عنایت ہوا ہے، ورنہ ممکن نہیں کہ اُن پر کیف مناظر کی اتنی جامع عکاسی کی جاسکے جو اِن فضاؤں میں ہر آن دل و دماغ کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ میں اس لحاظ سے جناب عبدالعزیز خالد کا نہایت ممنونِ احسان ہوں کہ ان کے اشعار بارگاہِ رسالتمآبؐ میں میرے جذبات و احساسات کے ترجمان رہے تھے ورنہ شاید میرا محبت و عقیدت سے لبریز دل گنگوں کی طرح اشاروں سے ہی اپنی عقیدت کا اظہار کر سکتا۔

حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ اقدس سے فارغ ہو کر جب میں کراچی پہنچا تو کوشش کی کہ اپنے محسن سے ملوں اور انہیں ان کیفیات سے آگاہ کروں جو ان کے اشعار نے میرے اندر پیدا کی تھیں۔ مگر کچھ تو مصروفیت سدِ راہ ہوئی اور کچھ ہمت نے ساتھ نہ دیا، مولانا حسرت موہانی نے کس خوبصورتی سے میری حالت کی ترجمانی کی ہے۔

عزمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتائیں
میری ہمتوں کی پستی میرے شوق کی بلندی

۱۹۷۰ء میں سفرِ حج پر میں نے ایک کتاب بعنوان "آئینۂ حجاز" لکھی جس میں جناب عبدالعزیز خالد کے اشعار سے بھرپور استفادہ کیا اور ان احسانوں کا برملا ذکر کیا جن کا میں فارقلیط کے باعث زیرِ بار تھا۔ بہرحال اپنی کتاب کا ایک نسخہ جناب عبدالعزیز خالد کو بھی بھیجا، جواب میں ایک شفقت آمیز خط ملا۔ جس کا ایک ایک لفظ صاحبِ موصوف کی علم پروری اور خلوص کا آئینہ تھا۔ جنابِ خالد نے ازراہِ قدردانی میری تصنیف کی بے حد تعریف کی تھی۔ اور خط کو اس شعر پر بند کیا تھا۔

"اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں"

اور پھر ۱۹۷۵ء تک کا زمانہ یونہی گذر گیا، اس دوران میں میرے اور جناب عبدالعزیز خالد کے مابین گاہ بگاہ خط و کتابت ہوتی رہی، ان پانچ سالوں میں ملاقات کی خواہش تو تشنۂ تکمیل رہی البتہ جناب خالد کے کئی دیگر شعری مجموعے نظر نواز ہوتے رہے، منحنّا، برگِ خزاں، کفِ دریا، کلکِ موج، سلومی، گلِ نغمہ، اور پروازِ عقاب وغیرہ، کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کی وہ شام آگئی جو میرے لیے کتنی ہی سعادتوں کا پیغام لائی اور جس نے میری اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کر دی جو ایک عرصہ سے میرے دل میں جناب عبدالعزیز خالد کو قریب سے دیکھنے اور اس شاعرِ اعظم سے باتیں کرنے کے لیے مچل رہی تھی۔

تقریبِ اس ملاقات کی یہ ہوئی کہ اہلِ خوشاب نے جناب عبدالعزیز خالد کے ساتھ ایک شام منانے کے لئے صاحبِ موصوف کو مدعو کیا، جناب عبدالعزیز خالد خوشاب تشریف لے گئے۔

خوشاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے "خوش آب" کا مخفف ہے۔ عام روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ شیر شاہ سوری کا ادھر سے گذر ہوا، اس نے یہاں کے موسم اور پانی کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اس جگہ کو "خوش آب"

کانام دیا، جو بعد میں خوشاب کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس زمانے میں دریائے جہلم اس شہر کی مشرقی دیواروں کو چھو کر گزرتا تھا۔ مگر جوں جوں دریا اپنی گذرگاہ تبدیل کرتا گیا تو خوشاب سے دور ہوتا گیا۔ اب یہاں نہ وہ خوش آبی رہ گئی ہے نہ موسم کی خوش گواری۔ تاہم لوگوں میں ابھی تک وہی عادات و خصائل موجود ہیں جو کبھی یہاں کے موسم اور پانی کا خاصہ تھا۔ اور شاید یہ انہی عادات و خصائل کا نتیجہ ہے کہ یہاں کی آبادی میں صاحبِ نظر بھی ہیں اور صاحبِ ذوق بھی۔

بہرکیف اہلِ خوشاب نے مجھے بھی اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی، پہلے تو مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ جناب عبدالعزیز خالد یہاں تشریف لائیں گے، لیکن جب پتہ چلا کہ اہلِ خوشاب کی خواہش کے احترام میں انہوں نے خوشاب آنے کی حامی بھری ہے تو یقین ہو گیا کہ فارقلیط کا مصنف اپنے وعدہ کا پاس کرتے ہوئے خوشاب ضرور آئے گا۔ چنانچہ میں بھی وقت مقررہ پہ پہنچ گیا اور تھوڑی دیر بعد جناب عبدالعزیز خالد بھی آ گئے اور سٹیج پر تشریف فرما ہوئے۔

"گلستانِ بابر" جس میں یہ تقریب منعقد ہوئی لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اتنا بڑا مجمع دیکھ کر مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ اہلِ خوشاب شعر کی لطافتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے اپنے سینوں میں کتنا گداز دل رکھتے ہیں اور پھر جس عقیدت و خلوص کے ساتھ انہوں نے شاعرِ اعظم کا استقبال کیا اور فرطِ محبت سے آنکھیں فرشِ راہ کیں وہ میری نظروں میں اہلِ خوشاب کو اتنا بلند کر گیا کہ میرا دل اُن کے احترام سے لبریز ہو گیا۔

شاعرِ اعظم جناب عبدالعزیز خالد سٹیج پہ بالکل میرے سامنے تھے اور میں ان کی ہر جنبش کو نوٹ کر رہا تھا، ان کی نشست و برخاست اور سٹیج سیکرٹری جناب محمد یونس کے تعارفی کلمات علّامہ اسد القادری کے عالمانہ خطاب اور جناب غلام جیلانی اصغر کی شگفتہ و پُر مزاج تقریر کے دوران ان کا پُر وقار انداز ان کی عظمت کا گواہ تھا، آخر میں جناب عبدالعزیز خالد نے ایک تازہ نعت جس کا عنوان "یا رسول اللہ" تھا سنا کر حاضرین کو محظوظ کیا اور بے پناہ داد وصول کی، تقریب کم و بیش ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔ اس دوران میں اہلِ خوشاب نے جس نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا تھا وہ ان روایات کا آئینہ دار تھا جو انہیں ورثہ میں ملی تھیں۔ تقریب کے خاتمہ کے بعد منتظمین نے مدعوئین کی چائے سے تواضع کی اور اسی دوران پہلی بار میں نے جناب عبدالعزیز خالد کے قریب آ کر سلام عرض کیا اور جناب غلام جیلانی اصغر پرنسپل گورنمنٹ کالج سرگودھا نے میرا ان سے تعارف کرایا۔

جناب عبدالعزیز خالد نے جس شفقت و محبت سے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور خیر و عافیت پوچھی وہ ان کی عالی ظرفی کا بیّن ثبوت ہے۔ چائے کی میز کے گرد کھڑے کھڑے ہمارے درمیان باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے ان لمحات میں زیادہ سے زیادہ کوشش یہ کی کہ شاعرِ اعظم کے دل میں اُتر کر اُس عشقِ رسولؐ سے اپنا دامنِ عصیاں دھو لوں

جو اس مردِ حق کی رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے، علم کا ہمالہ میرے سامنے کھڑا تھا اور شعر کو چھ مختلف زبانوں موزوں کرنے والا شاعرِ اعظم مجھ جیسے کم علم و کم سواد کو اپنی شفقت آمیز باتوں سے نواز رہا تھا، میں جناب خالد کی باتوں میں اس درجہ محو تھا کہ مجھے یہ احساس بھی نہ ہوا کہ ایک جمِ غفیر پورے صبر و تحمل کے ساتھ جناب خالد کو قریب سے دیکھنے کے لیئے ہمارے گرد جمع ہو گیا ہے، میں نے مجمع کا یہ اشتیاق دیکھ کر خیال کیا کہ کیا یہ سب لوگ جناب خالد کی کتابیں پڑھ کر ان کی شاعرانہ عظمتوں کے قائل ہوئے اور اپنے محبوب شاعر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیئے مضطرب ہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا، تو پھر کیا تھا۔؟ کہ شوقِ دیدِ ہر آد کی آنکھ سے چھلکا پڑتا تھا اس کا جواب مجھے سورہ مریم کی آیت ۹۶ میں ملا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝

(ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیئے، خدا ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دیتا ہے۔)

اور میں مطمئن ہو گیا۔

میری قلبی تمنا تو یہ تھی کہ جناب خالد سے جی بھر کے استفادہ کروں اور ملاقات کی ان چند گھڑیوں کو اتنا طول دوں کہ گھنٹوں میں پھیل جائیں، مگر یہاں اس کا موقع تھا نہ محل، چنانچہ میں نے جھجکتے جھجکتے جناب خالد سے کہا کہ اگر زحمت نہ ہو تو میرے غریب خانہ تک چلیں جو یہاں سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ میں نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر دل میں شرمندہ ہوا کہ جب خالد آج ہی لاہور سے خوشاب تک کا طویل سفر کر کے آئے ہیں، ابھی آرام سے بیٹھے نہیں کہ میں نے ایک اور سفر کی دعوت دے دی ہے، مگر جناب خالد کی اعلیٰ ظرفی نے میری استدعا قبول کر لی۔ اور جناب قدیر شیدائی سے مشورہ کر کے چائے کے بعد میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ جناب عبدالعزیز خالد کی اس آمادگی سے واقعتاً خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور مجھے اپنے آپ پر رشک آنے لگا۔ کہ خانۂ انوری اور جنابِ خالد یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے۔

تھوڑی دیر بعد دو کاریں جوہر آباد کے لئے روانہ ہوئیں۔ ایک میں میرے ساتھ جناب عبدالعزیز خالد، علامہ اسد القادری، جناب قدیر شیدائی اور جناب محمد یونس تھے، اور دوسری میں جناب خالد کے چند ایسے پرستار جو فرقت کے یہ چند لمحات بھی گوارا کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔

رات کے نو بجے تھے اور کاریں جوہر آباد کی سمت رواں دواں تھیں، تیرھویں رات کا چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا، ہماری کار کے اندر جنابِ خالد کی زبان سے پیغمبرِ خاتم کے شمائل کا ذکر کچھ اس انداز سے ہو رہا تھا جیسے ان پر الہامی کیفیت طاری ہو خدا کے حبیبؐ کا ذکر اور وہ بھی ایک عاشقِ رسولؐ کی زبان سے، خدا کی قسم،

کر لطف آگیا، بات دراز ہوتی جا رہی اور مسافت کوتاہ، اور پھر اسی کیفیت میں ہم اپنی منزل پہ پہنچ گئے۔ جناب خالد نے کار سے نکل کر میرے گھر کے اندر قدم رکھا اور غالب کی زبان میں بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اِن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

جناب عبدالعزیز خالد کرسی پہ بیٹھنے سے قبل میری کتابوں والی الماری کے پاس گئے، جسے میں نے خود ہی لائبریری کا نام دے رکھا ہے، جناب خالد نے الماری کھولے بغیر کتابوں کے نام لینا شروع کر دیئے۔ ایک کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ طبری ہے" اور پھر دوسری کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ طبقات ابنِ سعد" ہے۔ میں نے اگرچہ ہر بار "جی ہاں" کہا، مگر دل ہی دل میں جناب عبدالعزیز خالد کے علمی لگاؤ اور کتابوں سے اس درجہ تعلق کی داد دیتا رہا کہ واقعی جس آدمی کے اندر علم رچ بس جائے اُسے ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

الماری کی تمام کتابوں پہ ایک نگاہ ڈالنے کے بعد جناب خالد ایک کرسی پہ بیٹھ گئے اور ہم سب نے بھی اپنی اپنی کرسی سنبھالی اور اسی ذکر کو جاری رکھنے کی استدعا کی جس کا سلسلہ کار سے باہر آنے پہ ٹوٹ گیا تھا۔ جناب عبدالعزیز خالد ہماری استدعا پہ، سیرتِ رسول اللہ کو عنوان وار بیان کرنے لگے۔ اور بہت جلد اپنی گرمیٔ گفتار سے ہماری قلبی کیفیات کو اس مقام پہ پہنچا دیا کہ ان کی ہر بات پر سب کی زبان سے بے اختیار "صلی اللہ علیہ وسلم" نکلنے لگا۔

جناب عبدالعزیز خالد نے اپنا سلسلۂ بیان منقطع کیا تو تھوڑی دیر تک محفل پہ ایسی خاموشی طاری رہی جیسے ذکرِ رسولؐ کی حلاوت سے سب کے ہونٹ بند ہو گئے ہوں، پھر آہستہ آہستہ ہماری باتیں شروع ہوئیں۔ لیکن فضا پہ ذکرِ رسولؐ کی خوشبو کچھ اس طرح چھا گئی تھی کہ جو لفظ جس کی زبان سے نکلا معطر ہی نکلا، میں جناب خالد کی گفتگو سے اس قدر متاثر تھا کہ اپنے جذبات روک نہ سکا اور جناب اسد القادری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب عبدالعزیز خالد جیسے عظیم انسان کو فارقلیط جیسی طویل نعت ہی لکھنی چاہیئے تھی، اور جو شاعر فارقلیط کا مطلع۔

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے
میں سانسوں کا بھاں تو موجِ ہوا ہے

کہہ سکتا ہے، وہ یقیناً فارقلیط جیسی طویل نعت بھی لکھ سکتا ہے، اور جو شخص یہ سب کچھ کر گذرا، وہ بلاشبہ "شاعرِ اعظم" کہلانے کا مستحق ہے؛

پھر میں نے فارقلیط کا ایک شعر؎

یہی ہے چراغِ شبِ تار و تیرہ
نہ جانے پتنگوں سے کس نے کہا ہے

پڑھ کر اہلِ محفل کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ اس شعر کو سمجھنے کے لیے روضۂ اقدس کی حاضری ضروری ہے جہاں لاکھوں پتنگ شمعِ رسالتؐ کے گرد دیوانہ وار گھومتے اور روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر آنسوؤں کی زبان سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ـــ "یہی ہے چراغِ شبِ تار و تیرہ" ـــ اور ـــ "نہ جانے پتنگوں سے کس نے کہا ہے"۔ اگرچہ بظاہر تجاہلِ عارفانہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر در اصل قرآنِ حکیم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ برحقؐ کو "سراجاً منیرا" کے خطاب سے نوازا ہے، اور یہ جناب خالدؔ کے مومنانہ جذبات اور شاعرانہ عظمت کی دلیل ہے کہ انہوں نے قرآنِ حکیم اور اسلام کی صداقتوں کو ایسے دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری کا چہرہ نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے اور کاسۂ دل محبت و عقیدت کے جذبات سے چھلکنے لگتا ہے۔

نہ جانے محفل کب تک قائم رہتی کہ کلاک نے رات کے گیارہ بجنے کا اعلان کیا، سب اٹھ کھڑے ہوئے، دن بھر کا سفر اور پھر آئندہ دن کا سفر، لیکن یہ عشقِ رسولؐ کا اعجاز تھا کہ عبدالعزیز خالدؔ یہ سب تکالیف برداشت کر کے بھی تر و تازہ تھے اور رات کے گیارہ بج جانے کے باوجود اُن کی آنکھیں ایسی چمک رہی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں "کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے"۔

محفل برخاست ہوئی اور میرے گھر کی آبادی جو قیام مہمان تک ہی قائم تھی، سب کے اُٹھنے کے ساتھ ہی ختم ہو گئی، مکان سے باہر آکر میں نے خوشاب رفاقت کی خواہش ظاہر کی، مگر جناب عبدالعزیز خالدؔ کی منکسر المزاجی اور بے تکلف سادگی آڑے آئی، میں حسب الحکم رُک گیا اور فارقلیط کا مصنف، ایک کریم انسان اور ایک عظیم شاعر معہ اپنے ہمراہیوں کے کار میں بیٹھ گیا، میں نے جھک کر سلام کیا، جناب عبدالعزیز خالدؔ کے ہونٹوں پہ خلوص بھری مسکراہٹ پھیل گئی، سلام کے جواب میں ان کا ہاتھ پیشانی تک گیا اور کار سٹارٹ ہو گئی، کار آہستہ آہستہ سڑک کی طرف بڑھ رہی تھی اور دور کسی ریڈیو سے یہ نغمہ بلند ہو رہا تھا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

تاثّرات

محمد طفیل (نقوش)

جیسی روانی ان کے شعروں میں ہے ویسی روانی ان کی گفتگو میں۔ جیسے شاعری میں کسی قافیے کو نہیں چھوڑتے ویسے گفتگو میں بھی کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتے۔ غرض نہیں چھوڑتے، ان پہ ختم! یہ بڑے افسر ہیں۔ مگر ان کی طبیعت میں افسرانہ شان نہیں۔ یہ سچے شاعر ہیں اس لیے سچے آدمی!

سید ضمیر جعفری

جواباً میں نے محبّی عبدالعزیز خالد کا ایک شعر پڑھ دیا کہ موصوف کے کلام میں سے ضرب الامثال اسی طرح پکڑی جا سکتی ہیں جس طرح دریائے کابل سے آدمی ہاتھ ڈال کر مچھلیاں پکڑ لیتا ہے شعر یہ تھا۔

؎ میری اک عمر تجھ سے وابستہ ہیں تجھے کیسے بھول سکتا ہوں

(اردو ڈائجسٹ جون ۸۷ء)

محمد فیروز شاہ

اردو اور علاقائی زبانوں کے باہمی ارتباط کی کیا صورت ہو؟

منور ہاشمی

میں سمجھتا ہوں کہ اردو کو تنگیِ داماں کا ثبوت نہیں دینا چاہیئے۔ اور علاقائی زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمونے چاہئیں۔ اردو اور علاقائی زبانیں ایک دوسرے کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ انگریزی کو بھی اردو میں جگہ دی جائے۔ تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اردو تو ایک سمندر ہے۔ عبدالعزیز خالد نے بہت سی زبانوں کو اردو کے اندر سمو دیا ہے اور یہ اس کی قابلیت کا ثبوت ہے۔ ایسے کئی مزید آدمیوں کی ضرورت ہے۔

(انٹرویو ـــــ امروز۔ لاہور)

شمیم احمد

تقریباً اسی زمانے میں جب "سیارہ" کا عبدالعزیز خالد نمبر نکالا جا رہا تھا۔ تو آپ کے اس وقت کے مدیر نے مجھے اس نمبر کے لیے لکھنے کی دعوت دی تھی۔ تب بھی میں نے عبدالعزیز خالد صاحب کو خواہ مخواہ موضوع بنانے سے گریز کیا تھا۔ اور میں نے مدیر محترم کو صرف یہی بتانے کے لئے خط لکھا تھا کہ عبدالعزیز خالد صاحب بیچارے پر میرا لکھنے کا ارادہ ہے ہی نہیں۔ آپ ان پر نمبر نکال رہے ہیں۔ تو خواہ مخواہ مجھ سے لکھوا کر انہیں کیوں کوفت میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر انہوں نے یہ خط "سیارہ" میں شائع کر دیا۔ جس کی اشاعت میں آج بھی رنجور ہوں۔

(خط بنام مدیر "سیارہ" لاہور، بحوالہ، دریافت ۳، کراچی)

ڈاکٹر مظفر عباس (رئیس الکلیۃ تعلیم الاسلام۔ ربوہ)

فی رأیی عبدالعزیز خالد هُوَ العالم النحریر وَ تفرّد فی الشعر الاُردیّةِ وَ العربیّةِ۔ وَ لَهٗ مکانة مرموقةٌ بینَ شُعراءِ العصرِ الحاضرِ وَ هُوَ مِنَ المُصنّفینَ المکثرینَ۔

خالد محمود (ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ۔ انہوں نے اپنا ایم اے عربی ۱۹۸۷ء کا مقالہ

عبد العزیز خالد وشعره۔ فی مدح النبیّ صَلّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمْ واثرُ اللُّغَةِ العَربیّة وادبها علیه کے عنوان سے لکھا ہے۔ جو ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر مظفر عباس اس مقالے کے نگران تھے ــــ اس کے چند ابتدائی جملے)

عبد العزیز خالد یعتبر نابغة فی شعراء عصره۔ وکلامه ینمو تحت روایات العربیة من ناحیة الالفاظ واللُّغةِ۔ والبیان والمواد۔ وعنده مطالعة وسیعة فی اللّغة العربیّة وادبها۔ ونصرة عمیقة علی الشّعر العربی وروایته فلذلک کلامه باعتبار النوعة کلامٍ متسلسل لروایة کلام العرب:

بناء علی هٰذه الخصوصیة جعلت کلام خالد موضوع مقالتی وقررت عنوان المقالة۔

نصیر ترابی

یاروں کے یارِ شاطر اور اغیاروں کے بارِ خاطر علیم (عُبید اللہ علیم) میں بس ذہی فرق ہے۔ جو فیض کی سخن ریزی اور عبد العزیز خالد کی سخن سازی میں نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا

ویسے بھی مجید امجد جس سرزمین یعنی جھنگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے وابستہ شعراء ——— وارث شاہ، مجید امجد، عبد العزیز خالد، شیر افضل جعفری، جعفر طاہر اور دوسرے ——— اپنے درویشانہ مسلک کے علاوہ شعری آہنگ کی فراوانی کے باعث بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔

شین، کاف، نظام

متقدمین و متاخرین کا ذکر چھوڑیئے۔ جدید عہد اور ماضی قریب کے شعراء میں فراق گورکھپوری ——— کرشن موہن، عبد العزیز خالد، کرشن مراری، چندر بھان خیال ——— بھگوان داس اعجاز ——— کے دوہے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے دوہا صنف اختیار نہیں کی۔ بلکہ اس صنف کو سنجیدگی سے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔

(جنگ۔ کراچی)

عرب نژاد شاعر ڈاکٹر زبیر فاروق کے مجموعۂ کلام کی تقریبِ رونمائی میں شبنم رومانی نے کہا: کہ زبیر فاروق چاہتے تو معرب شاعری کر کے آسانی سے کام چلا سکتے تھے۔ آخر ہمارے ہاں عبد العزیز خالد بھی تو ہیں۔

شناور ڈوگر

خالد اور ملٹن کی شاعری میں ایک پاکیزگی جھلکتی ہے۔ جہاں ڈر ہے نہ تشنگی۔ ایک مقدس طمانیت جو کچھ حدوں اور پابندیوں کو رضا کارانہ قبول کر کے ملتی ہے دونوں شاعری میں ہئیت کے سخت اصولوں کے کڑے پابند۔ لیکن یہ پابندی ان کے شاعرانہ جینیس کو دباتی نہیں۔ بلکہ انفرادی خصوصیات کو اور ابھار دیتی ہے۔

لفظ حقیقتیں نہیں صرف ان کی علامتیں ہیں۔ علامتوں سے دلکش تصویریں بنا ڈالنا شاعر کا کمال۔ خالد کے ہاتھ میں لفظ موم کی طرح پگھل کے اس کی مرضی کے سانچوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ اور حسین سے حسین تر تصویریں بنتی چلی جاتی ہیں۔

حقیقت کے چمکتے تار دے کر کہا: جا ان سے خوابوں کی قبا بُن!
سحرِ شب ٹوٹا، سحر نے سانس کی گر پڑے سجدے میں تارے ایکدم

پھر سادہ سے سادہ یا وزنیک سے باریک خیال کو کس لطافت سے شعر میں ڈھال دیتے ہیں۔

مشورہ کس نے دیا: چھوڑ کے سب کارِ جہاں شعر کی بھول بھلیاں میں رہو سرگرداں
اور پھر شکوۂ نا قدریِ دوراں بھی کرو! ایسے بے رُوح، پُر آشوب زمانے میں حضور!
شعر گفتن چہ ضرور؟

خالد صاحب کے شعر میں ترواری بھی ہے تمثیل بھی۔ رچاؤ بھی لبھاؤ بھی، سبھاؤ بھی، خلوص کی گرمی بھی، حکمت کی زماہٹ بھی۔ اس میں ابلیس کی گھن گرج ہے تو سلومی کا بانکپن بھی۔ یہاں کرشن کی بانسری کے سُر بھی ہیں اور گوپیوں کی نرت تال بھی۔ اس میں صنم بھی ہیں خدا بھی۔ یہ اک جہان ہے جس کا خالق ابھی مزید معجزوں میں سرگرداں۔

خامہ بگوش

شاعر اعظم جناب عبدالعزیز خالد سے بھی ایک محفل میں ملاقات ہوئی۔ اور ان کا کلام ان کی زبان سے پہلی بار سُننے کا اتفاق ہوا۔ آج کل وہ نہایت عمدہ غزلیں کہہ رہے ہیں۔ شعر و شاعری کے شغل سے پہلے کھانے کی میز پر ان سے بات چیت رہی۔ سب کھانا کھا رہے تھے۔ لیکن خالد صاحب نے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ "میں صرف ایک وقت کا کھانا کھاتا ہوں۔" اس پر ہم نے عرض کیا: "اور جو آپ کا کلام پڑھتے ہیں۔ وہ دونوں وقت کھانا نہیں کھاتے!"

عبدالعزیز خالد کے لئے کمپیوٹر کے خزانے میں، فارسی، عربی اور ہندی کی تمام بڑی بڑی لغات کے الفاظ موجود ہوں گے۔ یہ کم پڑ جائیں گے تو عبرانی اور سنسکرت جیسی پرانی زبانوں کے الفاظ کام میں لائے جائیں گے۔ خالد صاحب دو چار نظموں ہی میں ان تمام الفاظ کو ختم کر دیں گے۔ اس لیے ان پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ کہ ان کی کوئی نظم ۵ ہزار شعروں سے زیادہ کی نہ ہو۔

محمد احسن پریمی:-

آپ کے بارے میں میرا تاثر یہ ہے کہ آپ کے نزدیک شاعر فطرت کو حسین تر بناتا ہے اور اس حسین تر، جمیل تر اور خوب تر کی جستجو میں شاعر تشبیہات و استعارات کو جنم دیتا ہے۔ گویا ذوقِ تسخیرِ فطرت فنکار کا کام ہے

اور فنکار فطرت پر اضافہ کرتا ہے۔ آپ کی شاعری سمجھنے کے لئے بھی کسی عام عقل کے بس کا روگ نہیں۔ بلکہ اسے سمجھنے کے لئے کسی "آمد" کی ضرورت ہے۔

خالد صاحب! زمانہ بہت سخت گیر ہے۔ زمانے کی گردش سے بچنا مشکل ہے۔ وہی فن پارہ قابلِ قدر ہے جو اپنے آپ کو زمانے کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکے۔ اور وہی فن پارہ زندہ رہتا ہے۔ جسے کسی مردِ خدا نے خونِ جگر سے رنگین بنایا ہے۔ نطشے "ابدی تکرار" کا قائل ہے۔ اور برگسان "جوشِ حیات" کا۔

عشق ایک تخلیقی جذبہ ہے۔ تخلیق کا یہ عمل پیہم رواں اور دواں ہے۔ اور عشق اس عمل اور جذبے میں جوش، ولولہ اور استقلال پیدا کرتا ہے۔ عشق کے بغیر کسی چیز کو ابدیّت نصیب نہیں ہو سکتی خواہ وہ مصوّری ہو فنِ تعمیر بُت تراشی ہو یا موسیقی۔ عشق کا جذبہ ہی اس کو ابدیّت بخشتا ہے اور یہی جذبہ آپ کے کلام میں ہے۔

امجد اسلام امجد:-

لہجہ ہر اچھے شاعر کا ایک بنیادی وصف ہوتا ہے۔ بعض لہجے لہجہ ساز ہوتے ہیں۔ جیسے اُردو شاعری میں میر، سودا، غالب، نظر، انیس، مومن اور اقبال کے لہجے۔ بعض لہجے ان بنیادی لہجوں کے سٹیلائٹ ہوتے ہیں۔ جیسے فراق، حسرت، داغ اور ناصر کے لہجے۔ کچھ لہجے ان سکہ بند لہجوں کے دباؤ کے تحت جھنجھلاہٹ یا مقصدیّت کے حوالے سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے حالی، یگانہ، ظفر اقبال، ساقی فاروقی، عبدالعزیز خالد اور مظفّر وارثی کے لہجے۔ لیکن یہ طے ہے کہ ہر اچھا شاعر ایک مخصوص لہجے کا حامل ہوتا ہے۔

محمّد نعیم چوہدری (کویت):-

انکل جی! آپ اسے میرا "پریم پتر" ہی سمجھ لیں۔ کیونکہ میں آپ کی شاعری اور آپ کے عشق میں غرق ہو چکا ہوں۔

انکل جی! میں آپ کی شخصیّت سے بہت متاثّر ہوں۔ کیونکہ آپ کی ذات کا ہر پہلو مکمّل اور کامل ہے۔

انکل جی! اس وقت میرا قلم آپ کو یہ محبّت نامہ تحریر کرتے ہوئے بہت ڈگمگا رہا ہے۔ کہ کہیں آپ کی شان میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے۔ یہاں پر گستاخی سے میری مراد یہ ہے۔ کہ کہیں آپ کی شان اور حیثیت کے مطابق کوئی شبد اوپر نیچے نہ ہو جائے۔ کیونکہ میں اس وقت عالمِ اسلام کے سب سے بڑے شاعر یعنی کہ "شاعرِ اعظم" کو خط تحریر کر رہا ہوں۔ انکل آپ اسے میری دیوانگی سمجھ لیں یا جنون بس آپ کی تصویر دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ یقین جانیے انکل میرے پاس وہ شبد نہیں جس سے میں یہ بیان کر سکوں کہ مجھے آپ سے بھی اتنی ہی محبّت ہے جتنی

(خدا اور رسولؐ کے بعد مجھے اپنی مہ جبین سے) ——— یہ لکھنے کا میرا یہ مقصد ہے کہ میں بھی آپ کی محبّت کی دیوانگی میں غرق ہوں۔ اور کسی بھی لحاظ سے آپ کو کھونا نہیں چاہتا۔ میں آپ کی ذات سے علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

انکل آپ کی متعدّد زبانوں میں دسترس اور آپ کی شعری تصانیف اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ کہ آپ عنقریب ہی عالمی افق پر سورج کی مانند اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے والے ہیں۔

ہر نماز کے بعد خدا سے میری یہی دعا رہتی ہے۔ کہ خداوند کریم آپ کو دو سو سال سے بھی زیادہ عمر عطا فرمائے (آمین ثم آمین) کیونکہ آپ کا قلم اور ذہن ہر روز ایک نیا اُفق لے کر طلوع ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ہماری تہذیب اور تاریخ کو ایک نیا باب میسّر ہوتا ہے۔ اس لئے مجھے اور ہماری قوم کو جو اہل ذوق ہیں۔ ان کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔

اس خط میں مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی ہو۔ تو آپ اسے نظر انداز کر دیں۔ کیونکہ معاف کرنے کا حق تو خدا کی ذات کو ہے۔ ویسے میں سمجھتا ہوں۔ آپ کا دل بہت ہی زیادہ وسیع ہے۔

جاوید امتیازی :-

حضرت علاّمہ عبدالعزیز خالد صاحب ——— آج کے بے عمل، تساہل پسند، ظاہر بین و کم نظر معاشرے میں آپ کی ذاتِ گرامی لاریب مینارۂ نور ہے۔ جس کی ضیا پاشیوں سے فکر و نظر کی نجانے کتنی دنیائیں آباد اور روشن ہوں گی۔

ایسے موضوعات پر لکھنا اور وہ بھی تحقیق اور نقد و نظر کا پورا پورا حق ادا کرتے ہوئے آپ ایسے علم و فکر کے بحرِ بیکراں ہی کے بس کی بات ہے مضمون آپ کے فکر و تشخّص کی نئی جہات کی نشان دہی کرتا ہے۔

خداوند کریم آپ کے قلم کو مزید توانائیاں اور تخلیقی و تحقیقی فتوحات ارزانی فرمائے آمین ———

آج قلب و نظر کی دنیا آپ ہی کے نقوشِ پا کی تابانیوں سے منوّر و روشن ہے۔

محمد انور قمر

نذرِ خالد

عزم و ہمّت کا نشاں وہ ذی وقار و ذی حشم
ایک دنیا کے دلوں میں ہے عزیز و محترم

بادشاہ ہے لفظ و معنیٰ کا وہ اک معجز بیان
شعر گوئی کے ہنر میں توڑ دیتا ہے قلم

داستاں خونِ جگر سے عصرِ حاضر کی لکھے
فن کی زلفوں میں ہے ظاہر زندگی کا پیچ و خم

آسماں کی رفعتوں سے ڈھونڈ کر نادر خیال
شعر کی کتنی کتابیں کر رہا ہے وہ رقم!

لَمْ یَزَلْ کی طرح لیکن لَنْ تَرَانِی کا جمال
ہر کتابِ شعر میں مشکل پسندی کا جنم

عقل کے گھوڑے تو اپنے دوڑ کر بے دم ہوئے
خامۂ خالد کا اشہب تیز تر ہے دمبدم

زخمِ تازہ کی طرح لفظوں میں اس کے اضطراب
آتشِ احساس بن کر رہ گیا ملّت کا غم

یادگارِ عظمتِ اسلاف کو زندہ کیا!
اس نے سمجھے خوب ہیں سب زندگی کے زیر و بم

زندگی کے فلسفے سمجھائے اس نے اس طرح
جس طرح برسے خس و خاشاک پر ابرِ کرم

خاور فن سے وہ ابھرا بن کے مہرِ نیم روز!
اس کی کرنیں جُو بہ جُو دریا بہ دریا یم بہ یم

اخترِ رخشندہ ہے وہ کہکشانِ نعت کا
ہے اسے زیبا خطابِ زمزمہ خوانِ حرم

لے لیا ہے نعت نے اس کی زمانے سے خراج
سر بسجدہ ہو گئے صلِّ علیٰ سُن کر صنم

دفترِ ملّت میں شہرت اس کی ہے مثلِ قمر
شاعرِ اعظم ہے وہ گلبار ہے اس کا قلم

سید عبدالحمید عدم

پہاڑ

گر علم و آگہی کی
دو لاکھ گھڑیوں کو
ہم پوری کوششوں سے
یکجا، اکٹھا کر کے
اک دوسری کے اوپر
مِل جُل کے لاد ڈالیں

اس وقت بھی سُنا ہے
دانشوروں کو کہتے
دے گا دکھائی گر، تو
عبدالعزیز خالد
آدھا دکھائی دے گا!

مکالمے

اکرم زیبائی

عبدالعزیز خالد کو قدرت کی طرف سے منفرد حسّاس ذوقِ لطیف ودیعت ہوا ہے۔ تضادات کو ایک نقطہ پر مرتکز کر دینا کہ نفسِ مضمون اور حسنِ تخیل میں بال برابر تفاوت نہ رہے۔ عبدالعزیز کا کمال فن اور ذوقِ ملیح کا خاصہ ہے۔ قدرت اس نوع کے ذہن کبھی کبھی اور کسی کسی کو تفویض کرتی ہے۔ سعی مطالعہ سے الفاظ کا ذخیرہ تو میسّر آسکتا ہے مگر ان الفاظ کو موقع محل کی ترتیب سے نگینوں کی طرح جڑ دینا کہ نہ بندشوں کی چستی میں ذرّہ برابر جھول آئے اور نہ ہی طبائع لطیفہ پہ بار گزرے، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اعداد و ہندسوں سے کھیلنے والا دماغ جب فنونِ لطیفہ کی طرف مائل ہو کر جواہر ریزے سلیقے سے ایک لڑی میں پرو تا چلا جائے اور وہ بھی ان گنت تعداد میں تو اسے عطیۂ خداوندی سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں طبیعت باغ و بہار، اقدارِ تہذیب کی آئینہ دار، دشمنوں کا مدح خواں، دوستوں کا جاں نثار ——— ضرورتمندوں کا حاجت روا، رزم کا دلیر، بزم کا گل صد رنگ، جس کی قربت سے دوستوں کو مسرّت ہو، مخالفوں کو دوستی کی حسرت، کردار کا آہنی ستون، گفتار کا سیدھا راستہ، مخلص، مرنجاں مرنج، بے لوث حاسدوں کے نشتروں سے زخم زخم مگر مسکراہٹ میں تلخی کا شائبہ تک ناموجود، نہ افسری کا گھمنڈ، نہ برتری کا احساس، علم کے سمندر کا شناور، ادب کے باغ کی معطّر نسیم صبح، تن کا بھی اُجلا من کا بھی اُجلا۔ یہ ہے تصویر، عبدالعزیز خالد کی جو زندہ ہے اور ادب کے افق پر پائندہ رہے گا۔

س :۔ خالد صاحب! آپ پیشے کی حد تک انکم ٹیکس جیسے خشک محکمہ میں اعلیٰ عہدہ پر متمکّن کامیاب افسر ہیں۔ ذوق کے لحاظ سے شاعر ہیں۔ پچاسوں کتابوں کے مصنّف و مترجم ہیں۔ طبیعت میں قلندرانہ استغنا ہے۔ . . . . . آخر یہ بہت ساری خصوصیات ایک جگہ کیسے جمع ہو گئیں نیز انکم ٹیکس کا پیشہ مصروف ترین پیشہ ہے۔ آپ تصنیف و تالیف کے لئے کس طرح وقت نکال لیتے ہیں؟

ج :۔ صاحب! آپ کے حسنِ ظن کا ممنون ہوں۔ ورنہ میں تو وہ رہ نوردِ شوق ہوں جو ابھی اپنی منزل سے منزلوں دور ہے شوق و معاش میں ہم آہنگی کے آرزومند اکثر مجموعۂ اضداد ہی نظر آتے ہیں ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

جہاں تک لکھنے پڑھنے کے لیے وقت نکالنے کا سوال ہے تو میں دفتری اوقات کے بعد ؎

سیّدِ خویشتن و بندۂ فرمانِ خودم

کوئی اور شغل ہے ہی نہیں۔ چاہوں بھی تو کسی اور چیز میں جی نہیں لگتا۔ عارف ہونے کا دعویٰ تو نہیں لیکن ہمیشہ مستِ ذات رہتا ہوں ؎

جبریل نمی گنجد آنجا کہ من و یزداں

معلوم ہوتا ہے پیدا کرنے والے نے ہمیں پیدا ہی اس لئے کیا تھا۔ باقی زندگی تو پوست اور بھوسک ہے یہی مغز اور رس ہے ؎

در سخن من ذو فنون یک فنم

غالب نے سچ کہا تھا ؎

شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما!

س :۔ آپ نے محکمہ انکم ٹیکس میں تو ۱۹۵۰ء میں قدم رکھا۔ شاعری کا ذوق کب، کیسے اور کیوں پیدا ہوا۔ نیز فنِ شاعری میں آپ نے کس سے فیضِ تلمذ حاصل کیا؟

ج :۔ جب سے ہوش سنبھالا خود کو مصروفِ شعر پایا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تو کسی کے سامنے تہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ فنِ عروض کی ابتدائی تحصیل البتہ جناب آغا صادق سے کی۔ آغا صادق ہمارے اسکول کے زمانے میں فارسی کے استاد تھے۔ ان سے ربط ضبط میں بہت سے عقدے شعر و سخن کے کھلے۔ آغا صاحب کا پچھلے دنوں کوئٹہ میں انتقال ہوا ہے۔ میرا مرثیہ شاید آپ کی نظروں سے گزرا ہو۔ نہایت شریف النفس، وضعدار، منکسر مزاج اور صاحبِ لیاقت بزرگ تھے۔

س :۔ فطری شاعر رقیق القلب اور نرم خو ہوتا ہے۔ پیشے کے لحاظ سے آپ کو مضبوط اعصاب اور قوتِ فیصلہ پر قادر ہونا چاہیئے۔ اس صورت میں اگر آپ فطرتِ شاعرانہ سے متاثر ہوتے ہیں تو قومی خزانے کا نقصان ہے اور اگر قوتِ فیصلہ پہ قدرت رکھتے ہیں تو شاعرانہ سوز و دردمندی پہ زد پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں آپ میزانِ عدل کے دونوں پلڑے کیسے برابر رکھ سکتے ہیں؟ کیا وضاحت فرمائیں گے؟

ج :۔ آپ کی بات سُن کر ایک دو شعر اقبال کے یاد آتے ہیں ؎

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو

اور ؎

گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے — گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں بن جا

انصاف کا مطلب درشتی، سنگینی، رعونت اور خشونت تو نہیں ہوتا۔ انصاف تو ہمدردی، دردمندی اور انسانی فطرت کی کمزوریوں کو مدِ نظر رکھ کر ان کے بارے میں حکم کا نام ہے۔ قرآن کہتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، لیکن نرم دلی، دردمندی اور پُر سوزی کا تقاضا یہ بھی نہیں کہ انسان اپنے موقف سے ہٹ جائے۔ اپنے بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ کرلے۔ داناؤں کا قول ہے کہ نہ اتنے میٹھے بنو کہ لوگ چٹ کر جائیں اور نہ اتنے کڑوے کہ کوئی قریب بھی نہ پھٹکے۔ انسان کو گولڈن مین کی تلاش کرنی چاہیئے کہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا، یہی اعتدال و میانہ روی، سلامتی، اطمینان اور عافیت کا راستا اور سبک روی کی ضمانت ہے۔

س :۔ آپ نے آج تک اپنا ذاتی مکان تک نہیں بنایا۔ آپ بسوں اور منی بسوں میں سفر کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ غالباً آپ کے پاس کار تک نہیں جبکہ آپ کو تنخواہ بھی معقول ملتی ہے۔ اور کتابوں کی رائلٹی بھی یقیناً ملتی ہو گی۔

ج :۔ ہاں! میرا کوئی ذاتی مکان نہیں۔

کتابوں سے مجھے کوئی آمدنی نہیں۔ صرف تنخواہ وجہ کفاف ہے۔ خدا کا احسان اور شکر ہے کہ عزت و آبرو سے گزر ہوتی ہے۔ خوشی سکون یا قناعت تو ایک زاویہ نگاہ، ایک کیفیت ایک افتادِ طبع ایک ذہنی رویے کا نام ہے وگرنہ ؎

سمندر سینکڑوں پی ڈالے لیکن پیاس باقی ہے

قبلہ! اس میں دنیا دکھلاوے کی کیا بات ہے اور پھر بہروپ کب تک چل سکتا ہے۔ مجھے اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لیے شعبدہ بازی، سنسنی خیزی یا مکر و استدراج کی کیا ضرورت ہے اور پھر اس سے حاصل کیا؟

ہم دوسروں کو کہاں تک اور کس طرح دھوکا دے سکتے ہیں؟ حکیم مطلق کا فیصلہ ہے:

وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ،

انسان سمجھتا ہے کہ دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے، انہیں بے وقوف بنا رہا ہے لیکن وہ سوائے اپنے کسی کو فریب نہیں دے سکتا اور اس خود فریبی میں سراسر اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔

بھرم ایک دن کھل جاتا ہے، ملمع اتر جاتا ہے، غازہ اڑ جاتا ہے، صرف صبغۃ اللہ کو بقا ہے۔

ہنس کی چال چلنے کے لیے آدمی کو ہنس ہی ہونا چاہیے ورنہ وہ صرف دوسروں کے لیے تفننِ طبع کا سامان مہیا کرتا ہے۔

فنکار تو بندۂ یکتائے بے ہمتا ہے۔ فن توحید کا جویا ہے، توحیدِ خدا کا، توحیدِ ذات کا،

نفاق، ریا، دروغ مصلحت سے فن کو کیا نسبت؟ فن تو سچائی کی آواز ہے۔ یکتائی کی نوا ہے۔

س:۔ امید ہے آپ میری اس صاف گوئی کو معاف فرمائیں گے کہ آپ کے کلام اور تراجم عوام کی فہم سے بہت بالا ہوتے ہیں۔ معمولی اور اوسط درجے کا قاری تو کس گنتی میں تعلیم یافتہ قاری بھی آپ کے کلام کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ آپ اتنے مشکل پسند کیوں ہیں؟

ج:۔ میرا اسلوب تو میری ذات کا عکس ہے۔ میری 'میں' کا اظہار ہے ؎

شخص و اسلوب میں ہے روح و بدن کا رشتہ رقص و رقاص میں تفریق کریں تو کیسے؟

نہ اس میں دانستہ انفرادیت پیدا کرنے کی کوئی مصنوعی کوشش شامل ہے اور نہ اپنے حلقۂ اثر کو محدود کرنے کی کسی بوالفضولی کا دخل اگر اس میں کوئی شعوری عجز یہ ہے تو محمود غزنوی کی طرح کا کہ دنیا جہاں کے سومناتوں کو لوٹ کر غزنی کو مالا مال کیا جائے۔ ہر تختِ طاؤس اور عرشِ بلقیس کو اپنے ایوان کی زینت بنایا جائے۔

اپنے گھر کا رستہ تلاش کرنے کے لیے نگری نگری بھٹکنا پڑتا ہے۔ شروع شروع میں پڑھنے والوں کو میرے اسلوب کے اغراق و اغلاق کی بہت شکایت تھی لیکن رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ ساتھ میرے بیان میں بھی ہمواری اور سلاست آ رہی ہے اور کچھ لوگ بھی اس روش خاص سے مانوس ہوتے جا رہے ہیں۔

غالباً اب یہ شکایت اتنی زیادہ اور اتنی عام نہیں رہی۔

س:۔ میں ایک تلخ اور دلخراش حقیقت کی طرف آتا ہوں۔ پاکستانی عوام انکم ٹیکس کی ادائیگی میں دلچسپی نہیں لیتے بلکہ اس نام تک

سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں جبکہ اس رقم سے ملک کی معیشت پروان چڑھتی ہے اور ملک کو مالی استحکام نصیب ہوتا ہے۔ کیا آپ نے ملک و قوم کے مفاد کی خاطر کسی بھی حکومت کے سامنے اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے نشاندہی کر کے حکومت کو کوئی مشورہ دیا؟

ج :۔ جہاں تک ہماری دانشوری کی سرکار دربار میں پذیرائی کا تعلق ہے تو بقول میرؔ ؎

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

جب تک آپ معاشرے کے کانٹے سانچے اور ڈھانچے کو نہیں بدلیں گے، افکار و اقدار کو، عزت و سیادت کے پیمانوں کو، کامیابی و کامرانی کے معیاروں کو تبدیل نہیں کریں گے، جب تک روپیہ اور صرف روپیہ شرف و شرافت کی کسوٹی ہے اس وقت تک یہی ہوتا رہے گا۔

ہمارا معاشرہ تو سخت زر پرست معاشرہ ہے۔ عناوین و القاب و مال و منال پر جان دینے والا، روحانیت کی ہم باتیں کرتے ہیں لیکن اس کے کیف آشنا نہیں۔ جہاں دولت خدا ہو وہاں اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ہی کی کیفیت ہو گی۔

ہم تو تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا اور اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ کی بدنما تصویر ہیں۔

اور ایسے بے وحدت اور بے ہنگم لوگوں کا ہنجار تو وہی ہوتا ہے کہ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ جو بو رہے ہیں وہی کاٹیں گے، شکایت کیسی؟

س :۔ دورانِ ملازمت کسی وقت کسی سیاسی یا غیر سیاسی حکومت کے دوران کوئی ایسا واقعہ پیش آیا کہ آپ نے کسی بھی دباؤ کو قبول کر کے اپنے ضمیر کی آواز کو دباتے ہوئے اپنے فرائض منصبی سے انحراف کیا ہو اور ضمیر کی آواز کے مطابق دباؤ کا اثر قبول نہ کر کے آپ کو کوئی نقصان اٹھانا پڑا ہو، کوئی ایک واقعہ بیان فرمائیں اور اپنے ذہنی تاثرات بھی۔

ج :۔ ضمیر کی آواز کو دبانے اور فرائض منصبی سے انحراف کرنے کی ذلت و ندامت سے تو خدا نے اب تک بچایا ہے۔ باقی رہی حفظِ خودی کے لئے نقصان اٹھانے والی بات تو ؎

ثنائے خود بخود گفتن نہ زیبد مردِ دانا را

ویسے میرا ایمان ہے کہ انسان اپنے اصولوں پہ کاربند رہنا چاہے، اپنی حرمت کی حفاظت کرنا چاہے تو مشیت اسے توفیق استقامتِ حال عطا کرتی ہے اور کیدِ حسودان بدسیر سے بچاتی ہے۔

س :۔ کیا آپ نے دورانِ ملازمت کبھی کسی صورت بھی سیاست میں حصہ لیا کیا ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں کودنے کا ارادہ ہے۔ کیا سیاست سے آپ کو کچھ بھی لگاؤ ہے؟

ج :۔ عملی سیاست سے تو مجھے کوئی لگاؤ نہیں لیکن میں ادب کو بھی سراسر انقلابی چیز سمجھتا ہوں۔ قلم کو لوگ تلوار سے زیادہ طاقتور سمجھتے ہیں، خیال ایک بے پناہ چیز ہے۔

اصلی چیز ذہنی بیداری ہے، احساس و شعور کی آبیاری ہے۔ جب تک بطون میں تغیر نہ آئے، احوال و ظروف میں کوئی تبدیلی کیسے رونما ہو سکتی ہے؟ آفاق سے پہلے انفس آتا ہے۔

ع حرا کا غار آتا ہے مقامِ بدر سے پہلے

میں ادب کو انسان کی بلند ترین اور مقدس ترین معروفیت سمجھتا ہوں میری سب قوتیں اس کے لئے وقف ہیں، اسی کے ذریعے میں روحِ عصر کی ترجمانی کرتا اور پھر اپنے عصر (اور دوسرے عصروں کو) متاثر کرنا چاہتا ہوں ؎

شعر و سخن میں خالد ہے ذو فنونِ یک فن
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

س :۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہر دور کا ادب (منظوم ہو یا نثری) اپنے معاشی، اقتصادی، ذہنی احول وقت کا عکاس ہوتا ہے مگر آج علم و ادب کے میدان میں چند گروہ ایسے وجود میں آگئے ہیں جن کی وجہ سے متقدمین اور دورِ حاضر کے شعراء و ادباء کے درمیان ایک طویل و عریض خلیج پیدا ہوگئی ہے اور موجودہ دور کے دانشور بھی مغربی فلسفہ کے تاثرات کے زیرِ سایہ متقدمین کی علمی، ادبی خدمات کو ذہنی عیاشی سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے تو متقدمین ہمارے محسن ہیں اور ان کی خدمات جو مساعد و نامساعد حالات میں ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔ قابلِ ستائش ہیں کیا یہ فاصلے کم ہو سکتے ہیں؟

ج :۔ رسولِ اُمّی کی حدیث ہے کہ اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا اَخَذَھَا (یا) فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا یعنی حکمت کو اپنی گمشدہ متاع سمجھو، جہاں سے ملے، جب بھی ملے، جھپٹ لو اس ضمن میں اس ہادیٔ برحق نے یہ بھی فرمایا اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ علم حاصل کرنے کے لئے چین و ماچین بھی جانا پڑے تو جاؤ۔ باقی بقول اقبال ؎

دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

روایات کا پاس، بزرگوں کا احترام اور ان کی خدمات کا فراخدلانہ اعتراف نہایت ضروری ہے۔ یہی تو شعائرِ ملّی ہوتے ہیں۔ ان سے صرفِ نظر کرنا تو اجتماعی خودکشی کے لئے زمین ہموار کرنا ہے۔

فرزانۂ شیراز کے بقول ؎

نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نامِ نیکت برقرار!

س :۔ پاکستان میں ڈرامے کا فن ناپید ہوتا جا رہا ہے آپ نے منظوم ڈراموں کو ایک نیا رُخ دیا ہے کہ کیا آپ نے کبھی کوشش کی کہ نثری ڈراموں کو بھی نیا رنگ دے کر عوامی حلقوں میں مقبولیت کے مدارج طے کرنے میں کوئی اقدام کریں؟

ج :۔ میں نے جو منظوم تمثیلیں لکھیں انہیں اہلِ سخن نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔

بہت عرصے سے میں اس طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔ ذہن کے کسی دُور دراز گوشے میں ایک مبہم سی ہلچل تو ہے۔ شاید کسی وقت کاغذی پیراہن میں جلوہ گر ہو جائے۔

ڈرامے سے میری طبیعت کو خاص مناسبت ہے۔ میں لمبی دوڑ کا آدمی ہوں۔ میری سوچ اور اظہار کا انداز جدلیاتی اور تمثیلاتی ہے اور اس کے لئے ڈرامے سے موزوں تر صنف کون سی ہوگی؟

دیکھیں کب عنانِ قلم اس طرف مُڑتی ہے!

س :۔ اپنے زمانہ طالب علمی کے مشاغل، گھریلو تربیت، قابلِ ذکر کوئی حادثاتی واقعہ بیان فرمائیں جو آج کی نوجوان نسل کے لئے چراغِ راہ ثابت ہو سکے ؟ نئے فنکار کے لئے کوئی پیغام ؟

ج :۔ سوائے پڑھنے کے کبھی کوئی دل چسپی نہ رہی۔ جس ماحول میں میں نے آنکھ کھولی وہ سادہ مشرب، خدا پرست، غریب و غیور محنت کش لوگوں کا تھا۔ مذہب کا چرچا عام تھا۔ مسجد چوپال کا کام دیتی تھی۔ ہم اپنا زیادہ تر فارغ وقت وہیں گزارا کرتے تھے۔ وہیں سے ہمیں عجز و بے خویشی و درویشی و دلریشی و درد کا نشاط آفریں سبق ملا۔

شاعر کا پیغام کیا ہوگا ؟

اے تازہ خوش قمارِ بساط ہوائے دل !
عارفِ ذات بن
مردِ حیات بن
صورِ ممات ہر
لات و منات بن
حرفِ اُمید بن
پیکِ نوید بن
سچ کا مجاہد، اور
فن کا شہید بن
عاشقِ علم و عقل
حق کا مرید بن

س :۔ موجودہ دور کے شعراء، ادباء اور دانشوروں میں آپ کی محبوب شخصیت کون ہے جس کی علمی، ادبی، فنی برتری کو آپ دل سے تسلیم کرتے ہوں۔

ج :۔ موجودہ دور میں کوئی ایسی شخصیت نہیں۔"

س :۔ جہاں تک آپ سے متعلق میرے علم کا تعلق ہے۔ حلقۂ احباب آپ کا نہ ہونے کے برابر کسی کلب وغیرہ کے ممبر آپ نہیں سرکاری و غیر سرکاری تقاریب میں آپ کبھی نظر نہیں آتے۔ ہاں ادبی محفلوں میں آپ ضرور مل جاتے ہیں۔ آخر اس مردم بیزاری اور گوشہ نشینی کے اسباب کیا ہیں؟ کیا آپ پوری دنیا کو اپنے ہی جامِ جم میں دیکھنا چاہتے ہیں ؟

ج :۔ بندہ نواز ؎

بہ اعماقِ خوں شورِ طغیانِ حرف — اداسیِ حسرت ہوں درد آشنا
شریکِ غمِ دہر، انسان دوست — کہیں بندۂ بندگانِ خدا

اگرچہ ع

بزمِ فراغ اپنی ہے آشوب گاہِ دل

ایک شاعر، ایک صاحبِ قلم، ایک صاحبِ دل، مردم بیزار کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا تو موضوع ہی انسان ہوتا ہے۔ اُس کے دکھ اُس کی خوشیاں، اس کے عقیدے، اس کے وسوسے، اس کے داعیے، اُس کے جبر، اس کے لالچ، اس کے صبر، اس کی محبتیں، اس کی وحشتیں، اس کے جھوٹ، اس کی سچائیاں، اس کی لن ترانیاں۔ اس کی ناکردہ کاریاں، اس کا تو مسلک ہی تفہیمِ آدمی، مطالعۂ جہاں، مشاہدۂ کائنات دُنیا و عقبیٰ کے اسرار کی کنج کاوی ہوتا ہے۔ وہ حتی الوسع تاحیات استحصال، استبداد، جہالت، جبر، ظلم، غربت، احتیاج اور استعمار کے خلاف سینہ سپر رہتا ہے کہ

کارِ مرداں روشنی و گرمی است

وہ حریتِ فکر کا داعی، آزادیٔ اظہار کا مبلغ، عظمت و وحدتِ آدم کا نقیب اور محبت و مساوات کا سفیر ہوتا ہے۔ وہ دُوئیوں کو سمیٹ کر اکائی پیدا کرتا ہے۔ ہلاہل سے امرت کشید کرتا، درگندھ کو سگندھ میں تبدیل کرتا ہے۔ سماج کے تعفن کو اپنے خون کی آمیزش سے خوشبوئی میں بدلنے کا جتن کرتا ہے۔ زخمِ نہاں پر مرہم رکھتا اور شکست آرزو کی مومیائی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ سچا فنکار ہمیشہ باغی اور غازی ہوتا ہے۔ رسُوم جاہلیت، عصبیت اور آمریت کا باغی۔ رفاہیتِ خلق کی جانگداز راہ کا غازی، تقلیدِ جامد، رجعتِ قہقری اور کورانہ ماضی پرستی کا دشمن، انقلاب کا پیغامبر، حرکت کا داعی، اجتہاد کا مبشر، وہ بھی اپنے دائرہ کار میں بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ ستم رسیدہ پیرہن دریدہ، انسانیت کے علمبرداروں کو نجات و فوز و کامرانی کی بشارت دینے والا اور جابروں، ظالموں، آدم کُشوں، خرکاروں، ڈریکولاؤں اور ویمپائروں کو اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ کی وعید و تہدید سنانے والا۔

میرا حلقۂ احباب اتنا کم بھی نہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ بے تکلف دوست کم ہیں ؎

بسکہ می ترسم از جدائی ہا می گریزم ز آشنائی ہا

فَاِنَّ قَلِیْلًا کَافِیًا خَیْرٌ مِّنْ کَثِیْرٍ غَیْرَ شَافٍ، مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی

سرکاری لوگوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے اور افسر طبقے سے میں کبھی یگانگت و ہم آہنگی محسوس نہیں کر سکا۔ میرا ناتا تو خاک نشینوں سے ہے۔ یہ مصنوعی کلف لگے ہوئے مرغِ زریں پر کی طرح اکڑے ہوئے اپنی ذات کے تاریک سیلن زدہ تہ خانے میں بند، بند ذہن کے لوگ، مجھے ان سے کیا لینا بقول قرۃ العین طاہرہ:

تو و ملک و جاہ و سکندری من و رسم و راہِ قلندری
اگر ایں خوش است تو درخوری وگر ایں بد است مرا سزا

سراب میں جہاز چلانے اور شورزمین میں تخم ریزی سے کیا حاصل؟

ھَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُھُمْ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

گوشہ نشینی ایک تو میرا مزاج ہے کہ ؎

نورِ من چوں آتشِ سنگ از نظر پنہاں خوش است

بقولِ شاعر ؎

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن   نہ سیرِ گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے

فَاِنَّمَا خُلِقَ الْاِنْسَانُ فِیْ کَبَدَ

یعنی ؎

واماندگی ہے قافلۂ عشق کا نشان   برجستگیٔ زنگ ہے شورِ درائے دل

دوسرے اہلِ فن کا سرمایہ ان کا وقت ہی ہوتا ہے ؎

دریغ وقت گرامی دریغ عمر عزیز!   دریغ نوبتِ کوتاہ و فرصتِ ناچیز!

اسے اگر اللوں تللوں لٹانا شروع کردیں، تو حزن و حسرت، خجالت و خفت کے سوا حاصل کیا ہوگا؟ کہ

؎ جس کو کہتے ہیں عرصۂ ہستی   تو سنِ عمر کا ہے اک سرپٹ

؎ کبیر لوٹنا ہے تو لوٹ لے رام نام ہے لوٹ   پھر پاچھے پچھتاؤگے جب پران جائیں گے چھوٹ

"صاحب دلال! انرژی خود را بے جہت بدر نہ دہید!"

شاعر تو عموماً قطرے میں دجلہ اور ذرّے میں خورشید دیکھتے اور دکھاتے آئے ہیں ؏

وہ دست روزگار میں تیغ کشیدہ ہیں

ان کا روشن ضمیر آئینہ جہاں ہوتا ہے۔ گھر بیٹھے، ؏

دشت پر دشت بیاباں پہ بیاباں الٹیں

ویسے بھی چیزوں کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے کے لئے انہیں ہٹ کر، ذرا فاصلے سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ شاعر اپنی اسٹڈی کو لیڈی شیلوٹ کا ٹاور بنالے جہاں ؏

بجز خیال نیا شد کسے معاشرِ دل

میرا زیادہ تر وقت تو دفتر میں صرف ہوتا ہے۔ وہاں لوگوں سے ملنا رہتا ہے، باقی وقت بھی اگر ان ہی ہنگاموں کی نذر ہو جائے تو پھر لکھنے پڑھنے اور سوچنے کی فرصت کہاں سے آئے گی؟

کہ ہوش مجھ کو ملا ہے تُل کر   نگاہ مجھ کو ملی ہے نپ کر

بندہ پرور! جس کو آپ نے اتنا الجھا دیا ہے وہ تو ایک سیدھا سادا تقسیم کار اور انضباطِ اوقات کا مسئلہ ہے۔

س:- ادب محفلوں میں نکھرتا، ہنگاموں میں جنم لیتا اور سوسائٹی میں پروان چڑھتا ہے۔ ادب نہ گوشہ نشینی کا درس دیتا ہے نہ آدم بیزاری کا۔ اس مکتب کا بڑا استاد زمانہ ہے مگر آپ "زمانہ" سے کنارہ کش ہیں اور کنارہ کشی یا تو احساسِ کمتری کی غمّاز ہوتی ہے یا کسی بیتے ہوئے حادثہ کا سبب۔ آپ کون سی صنف کا شکار ہوئے؟

ج ۸۔ آپ کو میرے بارے میں جانے کیوں یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میں زمانے سے کنارہ کش اور زندگی کی لہر بہر سے کٹا ہوا ہوں۔ میرے بھائی!

جو اپنا وزن کرے گا، ہمیں بھی تولے گا، میں تو سخت عاشق مزاج آدمی ہوں۔

پروانہ ز من شمع ز من گل ز من آموخت　　افروختن و سوختن و جامہ دریدن!

زمین اور اہلِ زمین سے مجھے انتہائی پیار ہے ع

دلِ من است کہ اندوہِ عالمے دارد

"جو پریم سے اس کی جانب بڑھے دھرتی اسے سویکار کر لیتی ہے"

بقول، اَحْسَنُ الخالِقِیْن!

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

ماٹی اوڑھنا ماٹی بچھونا، ماٹی میں ایک دن مل جانا ہو گا۔ دلِ گیتی کی دھڑکنوں سے میں کیسے بیگانہ ہو سکتا ہوں۔ اگرچہ ؎

بیانِ شوق چہ حاجت کہ شرحِ آتشِ دل　　تواں شناخت ز سوزیکہ در سخن دارم

دلِ من مسافرِ من کہ خدائش یار بادا!　　نہ بہ جادہ اش قرارے نہ بہ منزلش مقامے

ہم اپنی تقدیر سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ،

زمین سے کٹ کر معاشرے سے جلاوطن ہو کر کیسے زندہ رہا جا سکتا ہے؟

"ہر پھول اپنی جڑ کی گہرائی کے انوسار ہی بڑھتی ہے۔" بن باس میں فن کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں، گھمبیر گری، وشال ندھریں اپنی سدھ کھو بیٹھتی ہیں۔ پتا شاخ سے پیوست رہ کر ہی تر و تازہ رہ سکتا ہے، ٹوٹ کر تو پاؤں میں کھندلا جائے گا یا کسی بھٹی کا ایندھن بن جائے گا۔

حرف بر ہے کہ ہیں زیادہ ہنگامہ پسند اور انجمن آرا نہیں اگرچہ ؎

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے　　کہ دل میں لگے ہیں حسینوں کے میلے

اور باوجودیکہ ؎

ہر عضو بدن ہے لذت جو　　ہر قطرۂ خوں میں مستی ہے

اور یہ بھی ایک حد تک بر امر مجبوری　　کچھ طرزِ تپاک اہلِ دنیا دیکھ کر

اُس نراس کا گذر کھ دھندا جھوٹا جوگ بجوگ ؎　　زرق ہے ریو ہے تزویر ہے سالوسی ہے

اور کچھ بر تقاضائے طبیعت کہ ع

صاحب تخلیق را خلوت عزیز ——— کم آمیز ہوں لیکن نرد گسل نہیں

ہر جدائی کی تلخی کو شہدِ آشنائی کی شیریں کلامی سے گوارا بناتا رہتا ہوں۔

نالہ بہ لب شکستہ ام داغ بہ دل نہفتہ ام

"یہ دونوں حیثیتیں معارض و متناقض نہیں بلکہ ایک دوسرے کی متمّم و مکمل ہیں۔"

اوکھا پینڈا یار مِلن دا، جان لباں تے آندی اے

لیکن من پسند کام کرتے ہوئے تکان کا احساس نہیں ہوتا بلکہ انسان تر و تازہ، صحت مند اور چاق و چوبند رہتا ہے۔
اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا۔ صاحبِ تخلیق (بلا تمثیل) مزمل ہوتا ہے۔ اس کو قیام لیل کا حکم ہے وہ بھی ایک طرح سے مامور من اللہ ہوتا ہے۔ عرصۂ امروز کی رستاخیز سے ہر دو آرا۔ قطب اور ابدال کون ہیں۔ یہی لوگ جو خدا کے بندوں کو جینے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ دلوں کے روگ کا دارو ڈھونڈتے ہیں۔ دُکھیوں کے سہائی، جو شب زدوں کو اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ کے استفہام اقراری سے مطلع تاباں سے نورِ خورشید کے ظہور کی نوید سناتے ہیں۔ بحمداللہ میں کسی انحراف کا شکار نہیں بلکہ صرف تعمیلِ حکم و تکمیلِ کار میں مصروف ہوں۔

س : ۔ زندگی میں ہر انسان کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی سے محبت ضرور کرتا ہے۔ اب اس محبت کا انجام خواہ کسی صورت بھی ظاہر ہو اگر اس راہ سے آپ بھی گزرے ہیں (یقیناً گزرے ہوں گے) تو ان تاثرات کو وضاحت کا روپ دیجیے جو آپ کے ذہن پر مرتسم ہو کر رہ گئے۔

ج : ۔ آپ نے یہ سوال کر کے فغانی کی طرح میرے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہ چھوڑی کہ ؎

کاش پرسد غنچۂ لعلِ نواز من نکتہ‌ء تا بہ تقریبِ سخن شرحِ دلِ پُرخوں کنم

تو سنیئے جناب ؎

ہلہ من جان جہانم تنانا ہا یا ہو ہلہ من عاشقِ ذاتم تنانا ہا یا ہو

من عاشقم گواہ من این قلب چاک چاک در دست من جز این سندِ پارہ پارہ نیست

میں نے خود کو صریع الغوانی لکھا ہے۔ یعنی قتیلِ لالہ رُخاں ہلاک بالا قداں، مغنّیٔ ماہ وشاں، شاعرِ نگاراں، میری تازہ ترین کتاب کا انتساب بھی۔

؏ ارغواں اندام عذراؤں کے نام ۔۔۔۔۔ ہے

؏ کس کس پری کی شکل میرے دل پہ نقش ہے

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ

فَلَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رَوِيتُ

بخلاف قول مصحفی کہ

عاشقی شیوۂ خوبانِ خوش اندام نہیں

شرارت ہائے پیدا سے   اشارت ہائے پنہاں سے
وَیَادُبَّ بَیْضَاءَ رَوْدِ الشَّبَا   بِ کَانَتْ تَحِنُّ اِلٰی وَصْلَتِیْ

ع   وہ نگاہ ناز زباں زباں وہ سکوت ناز سخن سخن

مگر افسوس دنیا میں خوبصورت چہروں کی نہیں بلکہ خوبصورت دلوں کی کمی ہے۔
محبت کے بارے میں میرا تاثر یہ ہے۔

؎   بہ سوزِ دل سوز ناکانِ عشق   یہ آلودگی ہائے پاکانِ عشق
؎   نہ مریں نہ جئیں محبت میں   زہرِ شیریں پیئیں محبت میں

بقول ابنِ فلکان

ع   عشق ہے جرعۂ زہرابِ اجل

ع   جلا کر خاک کر دیتی ہے تب یہ آگ بجھتی ہے

؎   زیاں ہے عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر   معاملہ ہی کیا ہو اگر زیاں کے لئے ؟

بقول اصغرؔ

سارا حصول عشق کا ناکامیوں میں ہے   جو عمر رائیگاں ہے وہی رائیگاں نہیں

جوامع الکلم میں ہے :

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهٗ

یعنی جس دل میں محبت نہیں ایماں بھی نہیں

کہنے والے کہتے ہیں کہ "محبت تو سانپ کی طرح ہوتی ہے، خود چلی جاتی ہے زہر چھوڑ جاتی ہے لیکن وقت بھی زہر مہرہ ہوتا ہے جلد نہیں تو دھیرے دھیرے یہ زہر چوس لیتا ہے۔"

"آغازِ محبت ایک نظر ہے پھر ہلکا سا تبسم پھر سلام پھر کلام، پھر وعدہ و پیماں، پھر ملاقات اور انجام ہجر و فراق۔ ایسا جو بیماری کے لئے شفا کا کام دے یا ایسا کہ خود بیماری بن جائے۔"

"عشق بایک نگاہِ گرم شروع می شود   و بایک آہِ سرد بپایاں می رسد"

محبت بڑا قاتل، بڑا سفاک، بڑا خلاق، بڑا نشہ آور، زبردز رنگ و فعال جذبہ ہے، یہ ہمارے اندر کے صحرائے امکان کو شور و شوق زندگی سے آباد کرتا۔ ہماری شبِ یلدا کو صبح نشور میں بدلتا اور ہمارے اندر ایک نئے آدم ایک نئے عالم کو جنم دیتا ہے۔

یہ زہر بھی ہے تریاق بھی ہے   اپنے اپنے ظرف اور بخت کی بات ہے

؎   غرضِ عشق توام چاشنیٔ درد و غم است   ورنہ زیرِ فلک اسبابِ تنعم چہ کم است

میں تو اس کے احسانات سے دبا ہوا ہوں

فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ !

اس سے میں نے

جل مثلِ چنارِ خود ، کسی کو نہ جلا   ہو خاک و لے غبارِ خاطر مت ہو

کے علاوہ یہ سیکھا ہے :

ہر نعمتے کہ ہست بہ عالم تو خوردہ داں   ہر لذّتے کہ ہست سراسر چشیدہ گیر

ہر ماہ رُو کہ ہست در ایّام روزگار   آں را بناز در بر خود آوریدہ گیر !

لیکن اگر یہ عورتوں تک محدود ہو تو اس پند کو یاد رکھنا چاہیئے :

فَاتَّقُوا مِنْ شِرَارِ النِّسَاءِ وَکُونُوا مِنْ خِیَارِھِنَّ عَلٰی حَذَرٍ - وَلَا
تُطِیعُوھُنَّ فِی الْمَعْرُوفِ حَتّٰی لَا یَطْمَعْنَ فِی الْمُنْکَرِ

جہاں دیدوں کا قول ہے کہ :

بادشاہوں کا قرب ، محبوبوں کا حُسن ، رنڈیوں کی وفا ، مستوں کی نوازش ، نادانوں کا اعتقاد ان میں سے کسی پہ اعتماد نہ کیا چاہیئے ۔

س ۶ ۔ شنید بھی ہے اور تجربات بھی کہ " محبت " انسان کی زندگی میں رنگینیاں ، مہک ، نکھار ، حرارت اور خود پسندی کے جراثیم کو جسم دے کر دھندلکوں کو اُجالوں میں بدل دیتی ہے ۔ نیازمندی ، انکسار اور محتاط روی طبیعت کے شعار بن جاتے ہیں ۔ انسان تنہائیوں کا سیر گر ہنگاموں سے نفرت کرنے لگتا ہے ۔ رکھ رکھاؤ اور وضعداری طبیعت کا خاصہ بن جاتی ہے ۔ آپ کا اس بارے میں تجربہ کیا ہے ؟

ج : جس تن لاگے سو تن جانے گلّاں کرن سکھالیاں ؤو

یہ " خود پسندی " کے جراثیم کہاں سے آ گئے ؟ محبت تو خود پسندی کے سرطان سے شفا عطا کرتی ہے اپنا وجود البتہ اپنی نگاہوں میں عزیز ان معنوں میں بن جاتا ہے کہ وہ کسی محبوب کی نظرگاہ ہے ۔ رطلِ گراں جام و پیمانہ کو بھی گرانمایہ بنا دیتا ہے ۔

غالبؔ عزیز تر ہو محبت میں زندگی

محبت تو بڑا متحرک و مؤثر جذبہ ہے

دو عالم بندۂ آزادی او   دو عالم بسملِ صیادی او

کہ جیسے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے ع

خواجہ یحییٰ معاذ کے الفاظ میں حقیقۃ المحبۃ مالا تنقص بالجفاء ومالا تزید بالبر والعطاء یہ ہماری بے شمار خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار اور ہمیں نئے ممکنات ، نئے امکانات سے روشناس کرتا ہے ۔ نیا زمانہ ۔ نئے صبح و شام ، نئے آفاق ، نئی فضائیں ۔ جی چاہتا ہے ہاتھ بڑھا کر ستاروں کو چھو لیں ۔ انہیں نوچ کر حبیبِ جاں کے قدموں میں نثار کر دیں ۔

اس کے باوصف کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو   عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

محبت ہم میں بردباری ، عفو ، کرم ، وسیع القلبی ، خطاپوشی اور لطافت و گداز پیدا کرتی ہے ہمیں اپنے محبوب ہی کو نہیں بلکہ اس کی

وجہ سے سب انسانوں سے محبت کرنا سکھاتی ہے۔ عاشق میں، محبوب کی نگاہوں میں سرخرو ہونے کے لئے اپنی ذات کو اس کے لئے باعثِ فخر و ستائش بنانے کے لئے بڑے بڑے کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، وہ بے ساختہ سوچتا ہے کہ

کتنا گہرا ہے سمندر، آسماں کتنا بلند

رمز شناسانِ عشق کہتے ہیں کہ:

عشق حدود و ثغور نمی داند، زباں نمی فہمد، منطق نمی داند کر و کور و لال است اے عزیز عشق چوں بدل رسد خوں کند۔ چوں بدیدہ رسد جیحوں کند۔ و چوں بجامہ رسد چاک کند و چوں بجاں رسد خاک کند۔

اَلْمَحَبَّۃُ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ اَلْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ وَالْعَاشِقُ زَبُوْنٌ

عشق کے مدارج بیان کرنے والے یوں بیان کرتے ہیں

میل، انجذابِ قلب، رغبت، طلب، ولع، صبابت، ہویٰ، شغف، غرام، تیم، ولہ، مقامِ حیرت - حب مطلق، عشق، ود۔ سچ ہے ع اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ وَھُوَ اَلْوَانٌ،

س: - کہتے ہیں کہ ناکام عاشق شاعر بن جاتا ہے اور "غزل" وجود میں آتی ہے۔ آج کے شاعر کی غزل میں منتخب الفاظ ضرور ہوتے ہیں مگر مفہوم کے اعتبار سے افلاس زدہ بلکہ روٹی کپڑا اور مکان کی طالب۔ تو میرا یہ اندازہ صحیح نہیں کہ اس قسم کے شعراء بگڑے ہوئے ناکام سیاسی نابالغ ہیں۔

ج: - روٹی کپڑا اور مکان انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں اور ہر ایک معاشرے کا فرض ہے کہ وہ اپنے افراد کو حال کی آسودگی اور مستقبل کا تحفظ مہیا کرے نہیں تو حکومتوں اور ان کے ہمہ گیر جبر و جبروت اور نار و النعرہ "رَھَبُوْتٌ خَیْرٌ مِّنْ رَحَمُوْتٍ (لِاَنْ تُرْھَبَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تُرْحَمَ) کا کیا جواز ہے؟

ہر چیز انسان کے لئے، اس کی خدمت اور راحت و آسائش کے لئے ہے۔ جسمانی بھی روحانی بھی حکومت ہو۔ مذہب ہو یا کوئی اور ادارہ اس کی وجہ جواز تنہا انسان کے لئے کارآمد ہونا ہے۔

زندگی سوختن با ساختن در گلے تخم دلے انداختن

کسی چیز کا نافع ہونا ہی اس کے وجود اور اس کی بقا کا ضامن ہے:

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ

اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنا کوئی سیاسی عدم بلوغ نہیں خصوصاً جب:

یہ حال ہو ترے وحشی کے جیب و دامن کا کہ چاک چاک میں ہے اور رفو رفو میں ہے

شاعر چونکہ فطرتاً بہت حساس ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس اندوہِ اجتماعی کو آواز عطا کرتا ہے۔ بزبانِ غالب ؎

در عشق غنچہ ایم کہ لرزد ز بادِ صبح در کارِ زندگی صفت سنگ خارا ایم

اس کا ستر لنتر تو عوام الناس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی ساری بھاونا، سارا بل، ساری شکتی، ساری ودیا، سارا گیان ان کے لئے ہوتا ہے

وہ ان کی تکلیفوں سے کیسے صرف نظر کر سکتا ہے؟ آنکھوں پر اندھیاری کیسے چڑھا سکتا ہے۔ اور پھر اس کے پاس کہنے کے لیے کیا ہوگا؟

س:۔ آپ کے تراجم انگریزی، جاپانی، ہندکی زبانوں کے مرہون تو ہیں مگر آپ نے بھی چینی ادب پاروں سے اُردو کا دامن خالی ہی رکھا حالانکہ چین ہمارا نزدیکی ہمسایہ، جاں نثار دوست، قدیم تہذیب و ادب کا گہوارہ اور اپنے ثقافتی دامن کو آج بھی تھامے ہوئے ہے۔ کیا اشہبِ قلم ان راہوں پر چلنے کے لئے تیار نہیں؟

ج:۔ اس میں کسی ارادے کا دخل نہیں،

ع ہمیں تو غیر سے بھی بوئے آشنا آئی

ترجمے کسی طے شدہ پروگرام کے تحت تو کئے نہیں جاتے۔ مدھ ماکھی کی طرح شہد کی تلاش میں ڈال ڈال پات پات سرگرداں رہتا ہوں بھنورے کی طرح کلی کلی کا رس چوستا ہوں۔

خندہ از گل گریہ از ابرِ بہار آموختم من ز ہر صاحب دلے یک شیمۂ کار آموختم

جو چیز من کو بھا جائے۔ دل کے اکتارے کو جھنجھنا دے۔ طبیعت جس پر بھر بھرائے۔ جی چاہتا ہے اس کے سرور میں، اس کی لذت میں، اپنے ہم وطنوں اور ہم زبانوں کو بھی شامل کر لوں کہ شراکت سے خوشی بڑھتی ہے۔ وہی جذبۂ تسخیر و تحصیل، وہی سنتِ ابراہیمی کہ اکیلے کھانا نہیں کھانا چاہیئے۔ دسترخوان پر مہمان ضرور ہونا چاہیئے کہ اس سے برکت ہوتی ہے۔ شاعر اکل کھرا نہیں ہوتا۔ وہ لنگر دار دریا ہوتا ہے اور اس کا لنگر ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ ترجمے کا محرک ایک طرح سے یہی جذبہ ہے ؎

تلسی اس سنسار میں بھانت بھانت کے لوگ سب سے مل جل بیٹھیے ندی ناؤ سنجوگ

بہت عرصہ ہوا میں نے ماؤزے تنگ کی نظموں کا ترجمہ کرنا چاہا تھا لیکن ان میں مجھے زیادہ شعریت نظر نہیں آئی۔ اردو میں ڈھل کر ان میں وہ کیفیت، وہ تاثر، وہ جادو نہیں رہتا، یا میں پیدا نہیں کر سکا اور پھر میں ترجمہ تو شعر میں کرتا ہوں۔ کوئی چیز اردو کے عروضی سانچے میں خاطر خواہ نہ ڈھل سکے تو اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

دَعْ مَا لَا تَسْتَطِیْعُ اِلٰی مَا تَسْتَطِیْعُ

میں تو اس چیز کا قائل ہوں کہ بلقیس بھی اپنے تخت کو دیکھے تو نقشِ حیرت بن کر، زیرِ زنخداں چھڑی، رہ ہے نرگس آسا کھڑی کی کھڑی۔

اگر صرحِ ممرّد پیاسے آبِ رواں کا دھوکا نہ ہو تو تصرفِ سلیمانی کیا؟

ویسے ۱۹۴۷ء میں میں نے چند چینی نظموں کا اُردو میں ترجمہ کیا تھا اور امروز لاہور میں وہ بڑے اہتمام سے شائع بھی ہوا تھا۔ شنید ہے کہ مولانا چراغ حسن حسرت نے اس کی بہت تعریف کی تھی۔ ان میں سے چار پانچ میرے پہلے مجموعۂ کلام ''زنجیرِ رم آہو'' میں شامل ہیں۔

س:۔ آپ نے جاپانی شاعری کو اُردو کے قالب میں ''غبارِ شبنم'' کے نام سے ڈھال کر اُردو کے سرمائے میں بہت بڑا اضافہ کیا ہے مگر عام خیال یہ ہے کہ آپ نے براہِ راست جاپانی کتب سے نہیں بلکہ انگریزی تراجم سے استفادہ کیا ہے حالانکہ محاورات کا چاچاؤ، استعاروں

کامحل، تشبیہات کا استعمال کہیں بھی غمّازی نہیں کرتا کہ آپ نے ترجمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ ہاں آپ نے غبارِ شبنم کے دیباچے میں از قسم "ہائیکو" اصطلاحات، پر روشنی نہیں ڈالی تاکہ عوام استفادہ کر سکتے اور ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا۔

ج :۔ قبلۂ عالم! میں نے کہیں دُون کی لیتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ ترجمہ براہِ راست جاپانی سے کیا ہے۔ لوگوں کے اس عام خیال، سے کہ یہ ع

عکسِ عکس و بازگشت بازگشت ہے، مجھے اتفاق ہے۔

~ مے کے پینے کامت کرو اخفا | نہیں چھپتیں خمار کی آنکھیں

ویسے بھی مجھے بہ صد عجز و انکسار یہ اعتراف ہے۔

عَخَالِدُ لَمْ تَعلَمْ وَلَسْتَ بِعَالِمٍ | بِاَنَّكَ لَا تَدْرِیْ وَذَاغَایَۃُ الْجَهْلِ

میں شاعری کے لفظوں کا نہیں بلکہ رُوح کا ترجمہ کرتا ہوں۔ میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس خیال کو یہ شاعر اُردو میں ادا کرتا تو کیسے کرتا۔ کبھی تیر نشانے پر بیٹھ جاتا ہے، کبھی اُچٹ جاتا ہے۔ یکہ تازوں کا مرکب آخر سم بھی لیتا ہے۔ ہو مر بھی کہیں کہیں اُونگھ جاتا ہے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ؟

بقول شاعر۔ مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ | تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِی السُّفُنُ

ہماری ہر تمنا بر تو نہیں آتی مگر پھر بھی کوشش شرط ہے۔

من طریق سعی می آدم بجا | لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

لیکن کبھی کبھی لفظ و معنیٰ کا نادر امتزاج بھی ہو جاتا ہے جیسے کہ فیض کے اس مصرعے میں

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر

جو ییٹس W B Yeats کے اس مصرعے کا ہو بہو عکس ہے

This night bitten morn

this spotted light

کتاب کا دیباچہ تو میں نے لکھا نہیں۔ ایک مختصر سا اختتامیہ ضرور ہے۔

"ہائیکو" پر سرسری سا ایک صفحے کا نوٹ بھی "ہائیکو" کے باب میں درج ہے غالباً آپ نے نہیں دیکھا۔ ترجمہ عوام کے استفادے اور ان کی معلومات میں اضافے کے لیے ہی تو کیا ہے۔ آخر "ہائیکو" جو قریب دو سو صفحوں میں پھیلے ہوئے ہیں کس لیے ہیں؟ اگر اتنے ہائیکو پڑھ کر بھی ہائیکو کی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی تو پھر اس "خوش ذوق" کا قصہ ہی دہرایا جا سکتا ہے کہ ساری رات یوسف زلیخا کا قصہ سن کر صبح سنا کر بقول انشا :

ہم اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

صبحدم پوچھتا ہے کہ :

زلیخا مرد تھی کہ عورت ؟

س :- خالد صاحب! میں ایک تلخ حقیقت کی طرف آتا ہوں، آج کا شاعر، ادیب اور دانشور ذرائع ابلاغ یعنی ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و رسائل کی دریوزہ گری کرتا ہوا نظر آتا ہے قدیم شعراء و ادباء نے کبھی اس طرف توجہ نہ کی؟

ج :- ہر رشحہ بہ اندازۂ ہر حوصلہ ریزند   میخانۂ توفیق خم و جام ندارد

شعرائے قدیم کے زمانے میں یہ وسائل و ذرائع نہ تھے۔ ویسے اپنے اپنے طور پر وہ بھی تشہیر سے غافل نہ رہتے تھے۔ ؎

نارسائی میں بھی انداز رسا رکھتے تھے

اس زمانے میں رونمائی و شہرت کا ذریعہ مشاعرے اور گلدستے تھے۔ آپس میں چشمکیں رہتی تھیں، وہی معرکے، وہی گروہ بندیاں، وہی سلاطین و امراء کے درباروں میں تقرب و باریابی حاصل کرنے کے لئے گرگ آشتی و جنگ زرگری۔

شاعر فکر معاش سے آزاد نہ ہو تو اسے علم و ادب کے پرستاروں اور سرپرستوں سے رجوع کرتا اور ان کے ہاتھ اپنی خودی کو بیچنا ہی پڑتا ہے۔ "جس ملک میں ہم رہ رہے ہیں اس کی آب و ہوا میں بے کرداری، خود غرضی، کم ظرفی، علم دشمنی، تن آسانی اور زر پرستی رچی ہوئی ہے

من دے موجی گیت سمجھ دے مظلوماں دیاں چیکاں نوں   کوئی نہ جانے بھولے کرتے تیری ایہناں اڈیکاں نوں

باقی جہاں تک فنکار کے احترام کا تعلق ہے تو بلا ریب

با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب

داعی برحق نے تو کافروں کے سرداروں کے بھی اکرام و توقیر کی تلقین و تاکید کی ہے۔

اذا جاءکم شریف قوم فاکرموہ

بزرگوں کی عزت تو ویسے ہی کرنی چاہیئے کہ حفظ مراتب اور پاس حقوق ہی سے معاشرہ کا شیرازہ قائم اور قوام مضبوط رہتا ہے یہی تہذیب نفس کی منزل ہے۔

س :- متحدہ ملک کی واحد زبان اردو کے ساتھ ساتھ اگر علاقائی زبانیں بھی معاون دریاؤں کی طرح رواں دواں ہیں تو قومیت کا اتحاد مضبوط سے مضبوط تر ہو سکتا ہے نیز علاقائی زبانوں کو تو ورثہ سمجھ کر بھی قائم رکھنا چاہیئے۔ زبان سے تہذیب و ثقافت کا پتہ چلتا ہے پھر ہم وسیع النظری اور وسیع القلبی کا ثبوت کیوں فراہم نہیں کرتے۔ قوم کی مشترکہ زبان تو ایک ہو مگر علاقائی زبانوں کا احترام اور التزام ملحوظ خاطر ہے۔ مجھے یقین ہے ملک کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے مسائل جو مجموعۂ اضداد بن گئے ہیں ملبے کی طرح بیٹھ سکتے ہیں۔ آپ مدلل روشنی ڈالیں۔

ج :- مجھے آپ کی دانش مندانہ رائے سے پورا اتفاق ہے۔ بقول نظیری (جی ہاں نظیری، اقبال نہیں) ؎

چہ باید مرد را طبع بلند و مشرب نابے

ہمارے ہاں بقا مل جل کر رہنے ہی میں ہے۔ گلہائے رنگ رنگ ہی سے چمن کی زینت ہوتی ہے۔

؎ تخم جمعیت دل تفرقۂ اسباب است

ہمارے ہاں چونکہ ملی تشخص مفقود ہے، حب وطن ناپید اور قومی یک جہتی ندارد ہے اس لیے یہ تشتت، یہ پراگندگی، یہ سوء نظام

گیر و دار پیدا ہوتی ہے، مجھے یہ دیکھ کر وہ حدیثِ قدسی یاد آتی ہے:

یَقُوْلُ اللہ: لَوْلَا رِجَالٌ خُشَّعٌ وَصِبْیَانٌ رُضَّعٌ وَبَھَائِمُ رُتَّعٌ لَصَبَبْتُ عَلَیْکُمُ الْعَذَابَ صَبًّا!

سبب اس بدگمانی کا بنیادی طور پر معاشی عدمِ تحفظ ہے۔ عوام کی سطح پر اگر ان مسائل کو صدقِ دل سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو۔

کس درد کا درماں نہیں کس مسئلے کا حل نہیں؟

پورے نظامِ کائنات میں بقائے باہمی کا اصول کارفرما ہے ہر چیز تنظیم و ترتیب سے اپنے مدار میں گردش کرتی ہے۔ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔

جہاں اس نے اپنی حد سے تجاوز کیا۔ وہیں توازن بگڑا اور شیرازہ درہم برہم ہوا۔

س: پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے مگر اردو میں لکھی ہوئی معمولی درخواست پر بھی شنوائی نہیں ہوتی اور ردی کی ٹوکری کی زینت بنتی ہے۔ اس کا بڑا سبب (جہاں تک میرا اندازہ ہوتا ہے) اعلیٰ عہدوں پر متمکن افسرانِ بالا کی اُردو زبان کی طرف سے چشم پوشی ہے۔ چند دن گزرے ہماری اعلیٰ ترین عدالت سپریم کورٹ کے ایک فاضل جج نے اپنا فیصلہ اُردو زبان میں سنا کر ایک روشن مثال قائم کردی جسے ہر طبقہ فکر میں سراہا گیا۔ اگر اسی طرح با اختیار اصحاب قوم جرأت مندانہ مظاہرہ کریں۔ تو اردو زبان کو اس کا جائز مقام نصیب ہو سکتا ہے۔ نیز آپ بھی کلیدی عہدے پر متمکن ہیں۔ ادیب شاعر اور دانشور بھی ہیں کسی وقت آپ کو بھی اس طرف توجہ دینے کا خیال آیا؟

ج: میں تو اوّل و آخر، ظاہر و باطن، اُردو کا آدمی ہوں "دل در سطوتِ نورِ او مستہلک، جاں در غلباتِ شوقِ او مستغرق"۔ مجھ سے زیادہ اُردو کی پسپائی اور زبوں حالی، اس کی نارسائی، اس کی بے سروسامانی، اس کی کسمپرسی پر کون کُڑھتا ہوگا؟ مجھ

شمع ساں داغ بہ دل شعلہ بہ سر پھرتا ہوں

؎ بیروں ہمہ سرسبز و درون نقش ہمہ خون است — از فطرتِ من برگِ حنا را کہ خبر کرد

اگرچہ: اپنے قاتل پہ کوئی اثباتِ خوں کیونکر کرے؟

بے زبان، بے ادب اور ناخلف قوم نے کبھی ترقی نہیں کی۔ زمانہ اس پہ شاہد ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے۔ تہذیبوں کے کھنڈر، زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جس نے اپنے آپ سے روگردانی کی۔ اپنی خودی کا سودا کیا، اپنے لہو کو جھٹلایا اپنی اصلیت سے انکار کیا۔ وہ ذلیل و خوار ہوا۔ ناکام و نامراد ہوا۔ خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا، اس کا مقدر ہوا۔ اس آزادی نے تو مجھ

دیر ترسا کی مفوّض ہیں رہبانی کی

اردو زبان بہت بڑی زبان ہے، اس میں عالمگیر زبان بننے کی پوری صلاحیت ہے لیکن بے بسی ہائے تمنا کہ اپنے وطن میں بھی اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اپنے گھر میں یہ ماما بنی ہوئی ہے۔ اس کی کوئی قابلِ ذکر مارکیٹ نہیں۔ ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، اس پر روز بروز زمین تنگ ہوتی جا رہی ہے اور سب ہماری عاقبت نااندیشی، خود پرستی، خود فروشی، بے حسی اور بے توفیقی کے باعث مجھ

فریاد چہ تاثیر کند ناشنواں را

ہمارے اندر کا کھوٹ ہی ہمیں مبتلائے آزار کرتا ہے ۔ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَفْسِکَ ۔
"کسی وقت" کی بھی آپ نے خوب کہی، میں تو بھائی، میرے ا ہر وقت فکر میں غلطاں پیچاں رہتا ہوں !

تُذَکِّرُنِیْ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِھَا   وَیَعْرِضُ ذِکْرَاہُ اِذَا غَرُبَھَا اَفَلْ
وَاِنْ ھَبَّتِ الْاَرْوَاحُ ھَیَّجْنَ ذِکْرَہٗ   فَیَا طُوْلَ مَا حُزْنِیْ عَلَیْہِ وَمَا وَجَلْ !

رخسانہ آرزو، تنویر ظہور

ڈاکٹر سید ناظر حسین زیدی نے جس شخص کے بارے میں کہا:

"علم کی پیاس نے اسے ایسا بے قرار کر رکھا ہے کہ یہ دولت اسے جس خطے، جس علاقے میں دکھائی دیتی ہے وہیں پہنچ جاتا اور پرانی کتابوں، قدیم صحیفوں، پتھر اور مٹی کی مورتوں یا دھات کے نوشتوں سے ان ممالک کی تاریخ پڑھ کر شعر کے قالب میں ڈھال دیتا ہے تاکہ دوسرے بھی بہرہ مند ہو سکیں، اسی انتاد طبع کے باعث وہ کسی محدود علاقے یا ملک کا باشندہ نہیں بلکہ پورہ کرۂ ارض اس کا مسکن ہے۔"

واقعی ہم نے دیکھا وہ شخص جس کا اوڑھنا بچھونا کتابیں ہیں۔ دنیا کے ہر خطے کا باسی ہے۔ اور ہر خطے کے لوگ اسے عبدالعزیز خالد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد جن کی تخلیقات گننے کے لیے بھی کئی لمحے درکار ہیں۔ جب ان سے ہماری ملاقات ہوئی تو وہ اپنی بیٹیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ بیٹیاں جو دو جے گھر کی رانیاں ہیں۔ اپنے اپنے سکھی آنگنوں سے بابل کی ٹھنڈی چھاؤں میں چند دن بتانے کے لیے آئی تھیں۔

رخسانہ! یہ میری بیٹی لبنیٰ جاوید ہے۔ اور یہ جو دو شیطان تنگ کر رہے ہیں ناں، صاحبزادی کے صاحبزادے ہیں۔ یعنی ہمارے نواسے صاحبان" خالد صاحب نے اپنے گھر کا تعارف بڑے خوشگوار موڈ میں کروایا۔
عنیزہ چھوٹی بیٹی ہے لندن سے چند روز قبل آئی ہے۔ دیکھو تو سہی ہمارے داماد کیسے بھلے لگ رہے ہیں۔
مسز خالد نے بیٹی سے بات شروع کر کے داماد کا ذکر بڑے شوق سے کیا۔

"آپ مزید کیا کر رہے ہیں؟"

میں نے رسمی تعارف کے بعد رسمی طور پر ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا تو وہ جیسے اس فقرے کے لیے تیار نہ ہوں کیونکہ گھر پیارے گھر میں تو انہیں صرف ہلکی پھلکی باتیں کرنا تھیں اور میں نے انہیں پھر لفظوں کی دنیا میں گھسیٹا۔

"فرقانِ جاوید" کے نام سے قرآن کا منظوم ترجمہ آرہا ہے۔"

"اللہ پھر وہی باتیں۔ ۔ ۔ ۔ ابو لگتا ہے موسم بدل رہا ہے۔"

لبنیٰ نے ذومعنی فقرہ چست کیا تو ہلکی مسکراہٹوں کا دور چلا کیونکہ واقعی موسم بدل رہا تھا۔

"لگتا ہے رات کو پھر بارش ہو گی۔"

عنیزہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے گھنگھور گھٹاؤں پر نظریں جما دیں۔

"موسم کیسا ہی ہو تمام موسموں کا اثر مسز خالد پر بہت اچھا ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے جناب۔"

میں نے پھر بات بدل دی۔

رخسانہ کہہ رہی ہیں آپ ان کی بہن لگتی ہیں"

خالد صاحب نے بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیوی کو مخاطب کیا تو کھلکھلا اٹھیں۔

"کیا واقعی۔ شکریہ" مسز خالد مسکرائیں تو ان کے چہرے کے کھلتے رنگ پر ایک زوردار قہقہہ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر اپنی گونج فضاؤں میں چھوڑ گیا۔

"واقعی میں بھی ابھی پوچھنے ہی والا تھا آپ سے کہ آپ"

تنویر ظہور جو ہمارے ساتھ تھے خالد صاحب سے مخاطب ہو کر جھجکتے ہوئے کہہ گئے۔

"لو جی! میں نے ہی تو ریلو کیا آپ لوگوں کو۔ اور میرے بارے میں پوچھنے والے تھے" مسز خالد کہہ اٹھیں

"مسز خالد کوئی تو ایسی بات ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی بہن لگتی ہیں کیا خالد صاحب بہت اچھی باتیں کرتے ہیں۔ کیا آپ کے کان نہیں پکتے ان کی شاعری سن سن کر۔"

"اور جب یہ بچے آجاتے ہیں تو لکھنا پڑھنا بھی چھوٹ جاتا ہے۔" خالد صاحب نے اپنے نواسوں کو وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بیوی کی بات آگے بڑھائی۔

ہاں ـــــ بچہ روئے تو ایسا لگتا ہے جیسے کل کائنات روتی ہے" خالد صاحب نے اتنا کہا ہی تھا کہ واقعی کائنات رو دی ان کا نواسہ رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچا گلابی رنگ تھا۔ جیسے نیند ٹوٹ رہی ہے۔

"اے نیند آرہی ہے"

"لاؤ میں سلا دوں۔ ہاتھ کی تھپکی میں سکون ہے" مسز خالد نے بچہ اپنی گود میں لے لیا

"آپ کے ہاتھ میں اور کیا ہے"

"امی کے ہاتھوں میں لذت ہے" لبنیٰ نے کیک کا ٹکڑا منہ میں دباتے ہوئے کہا

"بھئی آپ کیک لیں نا" مسز خالد نے مہمان نوازی کا حق ادا کیا تو ہم نے آس پاس دیکھتے ہوئے آخر کار پوچھ ہی لیا۔ "آپ کے صاحبزادے کہاں ہیں؟"

"وہ تو وقت پر آ گئے تھے کہ آپ کو زحمت نہ ہو ابھی آجاتا ہے۔"

"میں خوش قسمت رہی ہوں کہ مجھے انتظار نہیں کرنا پڑتا"

"آپ تو انتظار کرواتی ہیں" خالد صاحب نے فقرہ چست کیا۔

"جناب اشتیاق صاحب! آپ بہت چپ ہیں ـــــ باتوں میں حصّہ لیں نا!" میں نے ان کے داماد کو باتوں میں شریک کیا۔

"میں سُن رہا تھا۔ ۔ میں تو بزنس مین ہوں کاروبار کی بات کروں گا لندن میں گارمنٹس فیکٹری ہے۔

"لیکن وہاں تو بڑے ہنگامے ہو رہے ہیں۔ ایشیائی لوگوں کا کیا مستقبل ہے؟

باڈر سے باہر لگتا ہے جیسے جنگ ہو رہی ہے جبکہ متعلقہ جگہ ایسی کوئی ہنگامہ خیزی نہیں ہوتی" لبنیٰ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"دراصل ہر ملک دوسرے ملک کی خبریں بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے جیسے ہندوستان کہتا ہے کہ پاکستان اسلحہ تیار کر رہا ہے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہر انسان اپنے ملک کے بارے میں کانشس ہوتا ہے اور اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ ۔ ۔ اب جب ہم یہاں بیٹھ کر لندن کی باتیں پڑھتے ہیں تو اپنے پیاروں کی فکر ہوتی ہے" خالد صاحب خوب بولے

"واقعی جب ہم وہاں پاکستان کے بارے میں ذرا بات پڑھ لیں تو فون کر کے پوچھتے ہیں تو باہر بیٹھ کر جو لگتا ہے کہ آگ لگی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے سب مستانے ہیں۔ عنیزہ نے اپنی کہی۔

"خالد صاحب! ایسا کیوں ہوتا ہے"

"ہر شخص اپنی زمین کے بارے میں کانشیس ہے۔ مٹی کی کشش کوئی لفظوں کی بات نہیں۔ انسان اپنی زمین کو کبھی نہیں بھولتا۔ مٹی سے جدا ہو کر انسان کا وجود ہی کیا رہ جاتا ہے۔ ۔ ۔ اگر اپنے گھر کی یاد نہ آئے تو پھر اندر کا انسان کیا ہوا؟"

"ابّو اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ لیکن لندن رہ کر کئی باتیں اتنی اچھی سیکھی ہیں جیسے گاڑی چلانا ہی دیکھ لو۔ یہاں تو گاڑی چلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ ابھی اِدھر اُدھر سے کوئی سواری آ کر ٹکرا جائے گی لندن میں تو ہارن بجانا بھی سزا کا موجب بنتا ہے" اشتیاق روانی سے بولے

"داماد جی بہت باتیں کر رہے ہیں کن کی پسند ہیں یہ؟" میں نے مسز خالد کو چھیڑتے ہوئے کہا

"ہماری پسند ہیں"

بچّوں کی پسند کیوں نہیں؟"

بچّے بچّے ہوتے ہیں والدین نے ایک دنیا دیکھی ہوتی ہے، پھر ہم لوگ سادگی پسند ہیں لمبے چوڑے سلسلے تو کرتے

نہیں۔۔۔مصنوعی رسم ورواج کے ہم قائل نہیں۔ عنیزہ کی شادی تو آٹھ دنوں میں ہوئی' اچھے لوگ تھے' اچھا گھرانہ۔۔۔۔ بنی کے میاں کرنل ہیں ان کی بھی ایسے ہی شادی ہوئی"

"یہ رسم ورواج کی کیا بات آگئی پسند میں۔۔۔ کیا آپ کی بیٹیوں کو پسند آگئے شوہر نامدار صاحب"

"دیکھو تو خوش نظر آرہی ہیں نا۔۔۔ ہم بیٹے کی بھی خود کریں گے" مسز خالد نے پُر زور لہجے میں کہا

"اگر صاحبزادے خود پسند کرلیں تو" میں نے کہہ دیا

"کرے گا نہیں۔۔۔ اس لیے کہ اپنے بچے کا پتہ ہوتا ہے" مسز خالد پھر اپنے خیال کو دہراتے ہوئے بولیں

"نہیں بھئی کردیں گے اس کی شادی فاروق عمران اگر کسی کو پسند کرتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے" خالد صاحب پروگریسو نظر آئے

"چلئے جی جیسے جی میں آئے شادی کیجئے صاحبزادے کی۔

لیکن جب خالد صاحب اپنے لوگوں میں گھرے رہتے ہیں تو گمان گزرتا ہوگا کچھ" میں نے ذومعنی بات کی

"آپ ہی لوگ ان کی برادری ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے ان کی کسی سے" مسز خالدہ نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر موجودہ لوگوں کو ہنسنے کا موقع فراہم کیا

"ویسے مجھے کبھی ان پر شک نہیں کیا، یہاں ہمارے گھر میں محفلیں جمتی ہیں۔ اور میں سمجھتی ہوں جو چیز میں خالد صاحب کے لیے ہوں کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ زندگی شکوک کی ناؤ میں سواری کرے گی تو برباد ہوجائے گی۔۔۔۔ جو رہ زندگی کا ساتھی ہو اس کے ذہن میں وسعت ہونی چاہیئے۔ میں سمجھتی ہوں اچھی بیوی کو خام خیالوں میں رہنے کی بجائے اپنے ساتھی کے اندر کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیئے"

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ بڑی محبت ہے کیا سکھا رکھا ہے آپ نے" میں نے خالد صاحب کو معنی خیز انداز میں گھورتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیئے۔۔۔

"بھئی اعتراف کر رہی ہیں آپ نے ضرور لڑائی کروانی ہے"

"بھئی عادت جو ٹھہری ہماری

"کہیں اور پوری۔۔۔"

"کریں گے فکر نہ کیجئے" میں نے بنی کی بات کاٹی تو سب لوگ کھلکھلا اُٹھے، اتنے میں فاروق عمران آگئے۔۔۔ خالد صاحب کے صاحبزادے جو امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتے ہیں آج کل کارپٹس کا بزنس کررہے ہیں

فاروق عمران کیا وجہ ہے کہ کارپٹ انڈسٹری بحران کا شکار ہے۔ ویسے آپ کا بزنس کررہے ہیں

"ہمارے ہاں بزنس میں کچھ ایسی ہی اونچ نیچ ہے، کارپٹ انڈسٹری پر تو بین الاقوامی حالات اثر انداز ہوئے نا۔۔۔ اب پیسے کی قیمت کم ہوگئی ڈالر سے ہمارا تعلق ٹوٹا اور مقابلہ بھی تو سخت ہے"

"انڈیا سے ؟"

"ہمارے کارپٹ انڈیا سے بہتر ہیں لیکن ایران کے ساتھ ہمارا مقابلہ نہیں"

"آپ کارپٹ بنواتے بھی خود ہیں"

"نہیں"

"کیوں ؟؟"

بھئی نقصان رہتا ہے۔ اب دیکھئے نا تیاری میں وقت لگتا ہے سیٹریل کی قیمتوں میں روز اُونچ نیچ ہوتی ہے کبھی ہم سستا مال خریدتے ہیں تو مہنگا بکتا ہے۔ کبھی اُلٹ معاملہ۔ . . . اَب بنا بنایا خریدیں گے تو اس وقت کے ریٹ پر فاروق عمران پورے بزنس مین نظر آئے

"شاعر باپ کا بیٹا کیسا کاروباری ہے ؟"

"بس ابّو کے مزاج کا اثر ہی نہیں ہوا"

"اچھا اثر دیا ہوتا تو"

"جناب ایسی بات نہیں۔ . . . دراصل ابّو نے کبھی کسی بچے کو مجبور نہیں کیا۔ . . . سب کو آزادی رائے ہے . . . . جو شخص جس طرح چاہے کرے۔ . . . ابّو نے اپنی مرضی ہم پر نہیں ٹھونسی" فاروق عمران نے باپ کی طرف داری کی۔

"آپ شاید حیراں ہوں لیکن جانے کیوں کتابیں دیکھ دیکھ کر ہم اتنے بھر چکے تھے کہ خود ان میں بیٹھنے کے بارے میں سوچا نہیں اور پھر لکھنا تو خداداد صلاحیت ہے ہم میں نہیں تھی"

"میں اپنے نواسوں میں ایسی رمق محسوس کر رہا ہوں"

"کیسے"

"ایک دن میں نے اس سے پوچھا بیٹا مجھے یاد کرتے ہو۔ کہنے لگا ہاں ابّی جی بہت کرتا ہوں۔ . . . میں نے پوچھا کیسے — ؟ ؟ تو کہنے لگا۔ . . . میں ایسے یاد کرتا ہوں کہ جیسے سانس لیتا ہوں بتاؤں کس طرح میں کس طرح میں سانس لیتا ہوں۔ "ارے" میں ہنس دی

"یہ شاعری ہے۔ . . . یہ فقرے الہامی ہیں" خالدہ صاحب کے لہجے میں تائید تھی اور پھر باتیں ہوئیں مٹی کی... مٹی کے باسیوں کی۔ . . . آتی جاتی راتوں کی۔ . . . عجیب عجیب رواجوں کی۔ . . . اور۔ . . . اور اجنبی اجنبی باتوں کی۔ . . . "

"میں سوچتا ہوں کیسے ممکن ہے کہ وقت کو پیچھے موڑا جائے"

"خواتین ہی کی بات لے لیجئے" میں نے اپنی بات کی

"اب خواتین کے بارے میں بیانات بھی کیا عجب بات ہے۔ چلو جی لوگ جو کہیں میں نہیں مانتا۔ . . . . . کیسی بے وقوفی کی باتیں ہیں"

واقعی اہل دانش کہلانے والوں کی باتیں ایسی ہی ہوں گی اور خالد صاحب تو ان دانش مندوں سے الگ ہیں جو زنجیروں کی بات کرتے ہیں یہ تو باوضو ہو کر ایک ایک زنجیر . . ایک ایک رکاوٹ کاٹ رہے ہیں۔

شبنم شکیل

(۱) کیا آپ عورت اور مرد کی ذہنی برابری کے قائل ہیں؟

جی ہاں!

(۲) آپ کا ایک شعر ہے:

ہر زلیخا عزیز کے ہوتے ؛ کسی یوسف کا انتظار کرے

آپ اس کی تشریح فرمادیں۔ کیا یہ کوئی ذہنی تجربہ ہے یا کوئی مشاہدہ؟

مشاہدہ بھی ہے تجربہ بھی۔ یعنی اکثر جو ہمیں میسر ہوتا ہے ہمارے لئے تسکین بخش ثابت نہیں ہوتا۔

ع : ہر شے قریب آ کے کشش اپنی کھو گئی۔

زلیخا ہی نہیں غالباً عزیز کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ شاہ بانو کو شبستانِ شہی کے سنہری قفس میں بند کرکے نگارانِ شہر و کنیزانِ حرم میں اپنے رُویا کی تلاش کرتا ہے۔ اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈتا ہے گو عموماً ناکامی سے دوچار ہوتا ہے کہ ہر کیمیا گر کا یہی مقدر ہے۔

شعر میں انسانی طبیعت کی سیمابی، اضطرابی اور رُومانی کیفیت کا اظہار ہے۔

(۳) شاہد احمد دہلوی صاحب کا ایک مضمون جو آپ کی شخصیت پر ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنی شاعری پر تنقید کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہیں اور تنقید کرنے سے برہم ہو جاتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

میں کبھی تنقید سے برہم نہیں ہوتا۔ یہ تو جرّاح کا نشتر ہے۔ یہ تو فکر و فن کے لئے دمِ عیسیٰ کا حکم رکھتی ہے۔ جو شخص ہمیں ہماری فرو گزاشتوں سے آگاہ کرے، ہماری کوتاہیوں کی نشاندہی کرے۔ وہ تو حقیقت میں ہمارا بہی خواہ اور محسن ہے جو تکمیلِ ذات و فن میں ہماری معاونت کرتا ہے۔ اگر اس کی گرفت صحیح ہو تو ہمیں کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اسے قبول کر لینا چاہیئے اور اگر وہ نافہمی یا کج رائی پر مبنی ہو یا حقد و حسد کا شاخسانہ ہو تو اسے خاموشی سے نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ خواہ مخواہ جاہلوں سے الجھ کر اپنی بات کو کھوٹا نہیں کرنا چاہیئے۔

(۴) ابھی ابھی جو آپ کا انٹرویو سیارہ میں چھپا ہے۔ اس میں آپ سے سوال پوچھا گیا تھا کہ آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں محبت کی جو تشریح کی ہے وہ بہت وسیع معنوں میں ہے۔ سوال میرا بھی یہی ہے مگر میری مراد اس محبت سے ہے کہ جو ایک مرد ایک عورت سے کرتا ہے۔

میں نے اس انٹرویو میں اس کا اعتراف کیا ہے بلکہ اسی کا اعتراف کیا ہے لیکن ذرا گھما پھرا کر اور اس احتیاط کے ساتھ کہ

شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا : خفیہ رازوں کو بھری بزم میں رسوا کرنا

(۵) آپ کی شاعری میں "حسنِ یوسف" اور "عشقِ زلیخا" کا خاصا ذکر ہے۔ اس Fascination کی کوئی خاص وجہ۔ ؟

حسنِ یوسف کا تو کوئی خاص نہیں البتہ عشقِ زلیخا کا ذکر میں نے اکثر کیا ہے۔

حسن کا سر پہ غرور جب نگوں ہوتا ہے : خودسری جب خود سپردگی میں ڈھلتی ہے

جب بے نیازی نیازمندی میں بدلتی ہے۔ حسن جب عشق بن کر گریباں چاک ہوتا ہے تو مجھے وہ منظر بے طرح متاثر کرتا ہے۔

شاید یہ بھی میری نغمگیت کا ظہور ہو : میری تمنائے محبوبی کا بہانہ جوئی ہو۔

(۶) آپ ایک صدی یا اس سے زیادہ لکھنے والوں پر تو دل کھول کر بات کرتے ہیں۔ ان کی تعریف بھی کرتے ہیں لیکن اپنے ہمعصروں کے بارے میں زیادہ تر خاموش رہتے ہیں۔ پھر اس خاموشی کی کیا وجہ ہے ؟

کوئی وجہ نہیں۔ میں اپنے ہمعصروں کی صلاحیتوں کا کھلے دل سے معترف ہوں اور حاضر و غائب جہاں موقع ملتا ہے اس کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ میں تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ میرے عصر میں اتنے خوبصورت، اتنے قدآور، اتنے ژرف نگاہ، اتنے بے پناہ لکھنے والے موجود ہیں۔ جن کی جوت سے ایوانِ ادب جگمگا رہا ہے۔

حسن رضوی

(۱) خالد صاحب یہ فرمائیں آپ نے اپنی تخلیقی زندگی کی ابتداء کب کی اور کس صنف سے ؟

میں نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں اپنی کج مج بیانی کا آغاز کیا۔ شروع میں مشقِ سخن کے لئے زیادہ تر غزلیں ہی کہیں۔

(۲) آپ کو یاد ہے کہ آپ کی اب تک کتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اس کی تفصیل عطا فرمائیے گا اور کتنی زیرِ ترتیب ہیں ؟

اب تک کوئی ۲۸ کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں چار پانچ وہ بھی شامل ہیں جن کی کتابت میں نے خود کی اور بوجوہ محدود تعداد میں شائع ہوئیں۔ باقی اور دس پندرہ زیرِ ترتیب و تحریر ہیں ؎ ستم زدہ ہوں مگر ذوقِ خامہ فرسا کا

(۳) آپ کی شاعری میں آپ کا رجحان نظم میں زیادہ ہے اور غزل میں کم اس کی کیا وجہ ہے ؟

میرے غزل کے بھی چار پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ میری طبیعت کو نظم سے زیادہ مناسبت ہے جس میں اشہبِ قلم جگہ جگہ ٹھٹکی لینے کی بجائے مسلسل منزلیں مارتا چلا جاتا ہے۔ میرے ذہن کی ساخت آرکی ٹیکٹونک ہے۔ مجھے لمبی دوڑ پسند ہے۔ پورے جسم کو متحرک ہونے اور بروئے کار آنے کا موقع ملتا ہے۔ پھیپھڑوں کی ورزش بھی ہوتی ہے اور ان کی طاقتِ برداشت کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔

(۴) اب تک آپ نے شاعری کی کن کن اصناف میں طبع آزمائی کی ہے ؟

قریب قریب سبھی ؎ تابع ہیں مرے جملہ انواعِ کلام

(۵) آپ قادر الکلام شاعر ہیں اور پھر آپ کو عربی فارسی پر بھی عبور حاصل ہے۔ آپ کو کبھی میر انیس یا دبیر کی طرح مرثیہ لکھنے کا خیال کیوں نہیں آیا ؟

یہ تو سروش کی صوابدید ہے کہ وہ کہاں کیا چیز املا کراتا ہے۔ اشارہ توفیقِ غائبانہ کے بغیر عصا اژدہا کیسے بن سکتا ہے ؟ کیسے ضربِ کلیمی کا حامل ہو سکتا ہے ؟

(۶) اچھا یہ فرمائیے کہ آپ ترقی پسند ہیں یا رجعت پسند، اور یہ بھی فرمائیے کہ آپ کسی ادبی تحریک سے وابستہ رہے ہیں ؟

کیا میرے ترقی پسند ہونے میں شک ہے ؟ اس کے لئے کسی سند، کسی شہادت کی ضرورت ہے۔ کلام خود بولتا ہے۔ تخلیقی فن ہمیشہ مثبت، معنی آفریں، روشن خیال، بیدار مغز اور ترقی پسند ہوتا ہے۔ اس میں ہمیشہ ایک شانِ خلاقی و خداوندی ہوتی ہے۔ وہ اندھیری رات میں صبحِ تاباں کی بشارت دینے والا، بہتر مستقبل کی نوید سنانے والا ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کرنے والا، بے زبانی کو گویائی عطا کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اپنے ماضی سے، اپنی میراث سے کٹا ہوا ہوتا ہے۔ ماضی، حال، مستقبل کے خانوں